فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے

مَنْ بَکیٰ عَلَی الْحُسَیْن اَوْ اَبْکیٰ وَ تَبَاکَ وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃ

جو کوئی پر اے حسین (مظلوم) پر روئے یا کسی کو رلائے یا رونے والوں کی شکل بنائے اس پر جنت واجب ہوگی

قُلزمِ ماتم

جَدِید

نظم و نثر کی بیس معرکۃ الآرا مجالس کا ایسا گرانقدر مجموعہ جو خصوصاً مجالس خواتین کے لئے باعث زینت ہے۔ نیز جس کا ہر فقرہ قلوب مومنین کے لئے تیر و نشتر ہے۔ انشاءاللہ کوئی مجلس خالی نہ جائیگی بلکہ در و دیوار سے گریہ و زاری کی وہ صدائیں بلند ہونگی جو سیدۂ عالم کے قلب صد پارہ کے لئے مرہم کا اثر رکھتی ہیں

بار چہارم محرم سنہ ۱۳۷۷ھ

تالیف مبین غم اہلبیت سید نصیر امام نصیر زیدی ایم اے بی ٹی

ابن

ابو القلم منیر زیدی الواسطی دہلوی مالک مطبع یوسفی

بار چہارم

از کتب خانہ مطبع یوسفی (دہلوی) نسبت روڈ لاہور شائع شد

تعداد طبع ایک ہزار

قیمت دو روپے

سے بعید ہے۔ ادائیگی تشکر کا تو معاذ اللہ مجھ میں مقدور ہی کہاں۔ میں تو یہ کہتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں کہ ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را ✤ تو دانی حساب کم و بیش را

اِنتَسَابُ

میں اس حقیر تالیف کو سیدۂ عالم کے سینے پر سونے والی۔ مظلومِ کربلا سید الشہدا کی پروانہ مگر دکھیاری بہن ثانی زہرا جناب زینب علیہا السلام کے نام نامی اور اسم گرامی پر معنون کرتا ہوں

گر قبول افتد زہے عز و شرف

سگِ کوئے آل بیت نصیر زیدی (مولف)

گذارش و اعلان

اس کتاب کے جملہ حقوق بحق مؤلف قطعی محفوظ ہیں۔ اس لئے کوئی صاحب بغیر مؤلف کی اجازت کے طبع نہ فرمائیں بلکہ جسقدر جلدیں مطلوب ہوں کتبخانہ مطبع یوسفی [illegible] سے طلب فرمائیں تاکہ فائدہ کے عوض نقصان کثیر نہ اٹھانا پڑے۔ (مؤلف)

نوٹ :- جو کچھ عرض حال میں مؤلف علمہ نے بیان کیا وہ بسلسلۂ اشاعت ثانیہ تھا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ [illegible] مظلوم کربلا کے اسم مبارک پر معنون کرنے میں کچھ ایسا خلوص تھا کہ آج یہ چوتھا اڈیشن تو بحمد اللہ بیاں حیثیت [illegible] ہے لیکن جو بڑی سند قبولیت اس درگاہ قدس سے ملی وہ یہ ہے کہ دوسری اور تیسری اشاعت کے [illegible] شادی اور شام کی قیدی۔ زہراء ثانی نے مؤلف کو اپنے مقدسِ عالیہ کی خاک پاک تو تیائے چشم بنانے کی [illegible] فرما دیا ہے۔ جو مؤلف کے باپ کو بھی ہنوز نصیب نہیں ہوا۔ (روحی محروم منیر زیدی)

مجلس اوّل

جناب سیّدہ عالم کی ولادت باسعادت اور فضائل و مصائب معہ تذکرہ شہادت

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم رضا فاطمۃ من رضائی و سخط فاطمۃ من سخطی فمن احب فاطمۃ ابنتی فقد احبنی و من ارضی فاطمۃ ارضانی و من اسخط فاطمۃ فقد اسخطنی - ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ رضا فاطمہؑ کی میری رضا سے ہے اور غضب فاطمہ کا میرے غضب سے ہے - پس جس نے میری بیٹی فاطمہ کو دوست رکھا اس نے مجھ کو دوست رکھا - اور جس نے اس کو خوش کیا - اس نے مجھ کو خوش کیا - اور جس نے اس کو غضبناک کیا اُس نے مجھ کو غضبناک کیا - اللہ اکبر اے مومنین جانیں ہماری اور ہمارے ماں باپ کی قربان ہو جائیں اس معظمہ پر کہ عالم جس کی شرف و بزرگی کا یہ ہو - روایت میں ہے - کہ جس وقت جناب خدیجہؑ یعنی والدہ ماجدہ اس بی بی کی رسالتمآب کے عقد میں آئیں تو زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ سید کونین رسول الثقلین کو باری تعالےٰ نے معراج عرش سے سرفراز فرمایا - حضرت رسول خدا براق پر تشریف فرما ہو کر ہمراہ جناب جبرئیل امین کے روانہ اس فرش سے طرف عرش کے ہوئے - حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ جب سواری آنجناب کی عرش اعلیٰ پر پہنچی - تو

دیکھا گل ریاض نبوت نے اک شجر
قدرت کے فیض سے جو مرصع تھا سربسر

رنگیں وہ شاخ و برگ طراوت کا وہ اثر
نخل مراد سامنے ہیں جس کے بار ور

راحت رسان روح برودت ہوائی تھی
سایہ فگن درخت پہ رحمت خدا کی تھی

اپنی جگہ سے آگے بڑھے سید البشر
جا کر قریب دیکھا تو خرمہ کا تھا شجر

شاخوں کی وہ چمک وہ مہکتے ہوئے ثمر	ہر خوشے میں بنایا حلاوت نے اپنا گھر

وہ شان اس درخت کی وہ اسکے نیک پھل
مسکے سے نرم شہد سے شیریں ہر ایک پھل

راغب رطب پہ تھے جو بہت سید العرب	کھایا شہ حجاز نے اک دانۂ رطب
تھی مصلحت اسی میں یہی چاہتا تھا رب	پہ نور محض خلقت زہرا کا ہو سبب

دل خوشگوار پھل سے جو مسرور ہو گیا
قائم نبیؐ کے صلب میں وہ نور ہو گیا

معراج سے جو فرش پہ آئے شہ ہدا	تازہ شرف جناب خدیجہ کو مل گیا
رونق فروز بطن ہوئیں اشرف النسا	مادر کے چشم دل میں ہوئی روشنی سوا

خلوت میں لطف ملتا تھا بنت رسولؐ سے
دل والدہ کا خوش تھا کلام بتولؑ سے

احادیث میں آیا ہے کہ جسوقت خاتون جنت کتم عدم سے عالم وجود میں تشریف لائیں تو دولت کدہ سرور انبیاء اس سراپا نور مطہر سے اس درجہ روشن و منور ہو گیا کہ آنکھیں دیکھنے والوں کی خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ بعد اس کے۔ ۵

ہو کر بلند چرخ پہ وہ نور چھا گیا	حور و ملک پہ وجد کا عالم سا آ گیا
جلوہ جو آفتاب طہارت دکھا گیا	خورشید کو مرقع حیرت بنا گیا

حوروں کے ہاتھوں غسل جو پایا جناب نے
دی کان میں اذان رسالتؐ مآب نے

حضرات! بیان اُس منظر کا کہ جو بوقت ولادت خاتون جنت تھا ناممکن بیان ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جن و ملک و حور و غلمان عرش بریں سے بعد لینے اجازت باری تعالیٰ سے حاضر ہوتے تھے خدمت اقدس رسول الثقلین میں اور مبارکباد پیش کرتے تھے بارگاہ محبوب خدا میں ولادت باسعادت اس دختر فرخندہ اختر کی کہ جب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے الفاطمۃ بضعۃ منی من اذاھا فقد اذانی یعنی فاطمہ میری پارۂ جگر ہے پس جس نے کہ ایذا پہنچائی میری اس لخت جگر کو

گویا کہ ایذا پہنچائی اس نے مجھ کو۔ پس مومنین جانے درود ہے کہ سلطان عرب ہدیے تہنیت کے قبول فرما رہے تھے اور باچھیں آنجناب کی فرط مسرت سے کھلی جاتی تھیں دل باغ باغ ہوا جاتا تھا۔

کیا ہو ثنائے دختر پیغمبرِ انام — اس گھر میں پرورش ہوئی انکی باحترام
مشہور ہے جو ہبطِ جبرئیل نیک نام — بہتر نہ جانتی تھیں عبادت سے کوئی کام

جب سامنے یہ آئیں تو شاہ ہدا اٹھے
تعظیم فاطمہؑ کو حبیب خدا اٹھے

زیب جہاں نہ ہوتے اگر شاہ ذوالفقار — پھر زوج فاطمہؑ کا نہ ممکن تھا زینہار
لاریب یہ نکاح ہوا پیش کردگار — عرش بریں پہ جشن عروسی کی تھی پکار

بانی خود اس کا بانیِ کون و مکاں ہوا
جھومے درخت باغ ارم گل فشاں ہوا

غنچے دلوں کے کھل گئے سب گھر مہک گئے — ذرے زمیں کے صورت اختر چمک گئے
اُجلے پہاڑ ہو گئے پتھر چمک گئے — پُرخوف گھاٹیوں کے مقدر چمک گئے

تھا جشنِ عقد فاطمہؑ زہرا جو فرش پر
غلمان و حور ملتے تھے ہنس ہنس کے عرش پر

اللہ اللہ! کیا کیا شرف و بزرگی عطا ہوئی تھی اس معظمہ کو درگاہ رب العزت سے

تنویر آفتاب نبوت ہیں فاطمہؑ — خیر الامم جو گل ہیں تو نکہت ہیں فاطمہؑ
رونق فروز حجلہ عصمت ہیں فاطمہؑ — الفت غنی ہے جس سے وہ دولت ہیں فاطمہؑ

بضعۃ النبی تھی خدا کی خدائی میں
کل ایک پل نہ آئی نبی کو جدائی میں

مومنین حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ملائک آسمان سے بحکم پروردگار آتے تھے خدمت جناب سیدہؑ عالم میں اور عرض کرتے تھے دست بستہ ان کی جناب میں کہ ہم غلام بے دام اور حلقہ بگوش ہیں آپ کے اے خاتون جنت ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم خدمت آپ کی بجا لا کے عرش کردگار پر سامنے ملائکِ مقربین کے فخر و مباہات کریں۔

روایات معتبرہ میں وارد ہوا ہے کہ کوئی ملک جھولا جھلاتا تھا آپ کے شہزادے حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو اور کوئی چکی پیستا تھا۔ اور کوئی طعام تیار کرتا تھا۔ اُن کے واسطے۔ اللہ اکبر! کیا رتبہ و اعزاز عطا ہوا تھا ان معظمہ کو کہ تشریف لے جاتی تھیں پیش پدر بزرگوار جناب حبیب خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تو سرو قد کھڑے ہو جاتے تھے آنجناب بہر تعظیم اور فرماتے تھے۔ خوشا نصیب تیرے اے میری پارۂ جگر کہ جس کی تعظیم کے لئے پروردگار عالم نے اپنے حبیب کو جبرئیل امین کی معرفت حکم بھیجا۔ اے باپ کی جان تیرے باپ کو وہ گھر بے نور اور بے سرور معلوم ہوتا ہے جس میں تیری نورانی صورت نظر نہیں آتی۔ حبیب خدا کو شفقت پدری اپنے لخت جگر سے معراج کمال کو پہنچی تھی۔ اور فرقت ان کی ایک ثانیہ کے لئے بھی گوارا نہ تھی۔ اور یہی حال ان بی بی کا اپنے پدر بزرگوار کیلئے تھا۔

راوی بیان کرتا ہے کہ جنگ احد میں جب دندان مبارک حبیب خدا کا شہید ہوا، اس کی اطلاع جناب فاطمہ زہرا کو ہوئی تو بے تابانہ مقنعہ اوڑھ کر میدان جنگ میں نکل پڑیں اور اپنے پدر بزرگوار سے لپٹ گئیں اور اس قدر روئیں کہ اُن بی بی کو غش آگیا۔

اے عزادارو! دل پر اپنے ہاتھ رکھ کر تصوّر کرو اس وقت کا جب سرور کائنات کی رحلت کا وقت قریب تھا۔ اور آنجناب بیہوش تھے۔ اس وقت یہ حال تھا آپ کی اُن معظمہ کا کہ بال کھولے زیر آسمان کھڑی تھیں اور رو رو کر اپنے باپ کی صحت کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگ رہی تھیں۔ کبھی گھبرا کر اندر تشریف لاتیں اور باپ کے منھ پر منھ رکھ کر اسقدر بلک بلک کر روتی تھیں کہ دیکھنے والوں کا کلیجہ پھٹا جاتا تھا۔ حضرات جسوقت کہ آپ نے آخری بار بیٹی کو اپنے سینۂ مبارک سے لگایا اور راہی خلد بریں ہونے تو فاطمہ زہرا کا حال اُسوقت دیکھا نہ جاتا تھا۔ بال اپنے نوچ ڈالے تھے۔ گریبان چاک تھا۔ باپ کے سینے سے لپٹی اس درد سے آہ و بکا کر رہی تھیں کہ زمین و آسمان لرز رہے تھے کسی صورت وہ معظمہ نعش مطہر سے باپ کے جدا نہ ہوتی تھیں۔ ہر چند بی بیاں تسلی دلاسا ان جناب کو دیتی تھیں لیکن اشک خونیں چشم مبارک سے پیہم مثل ابر نو بہار رواں تھے۔ بعد دفن سلطان زمن حال ان

بی بی کا فراق میں اپنے پدر بزرگوار کے عجیب ہوا حال تھا۔ شب و روز گریہ و زاری کرتی تھیں اور سہ

اکثر نبی کی قبر پہ جاتی تھیں فاطمہ
اکثر پچھاڑیں کھاتی تھیں فاطمہ
رو رو کے حال دل کا سناتی تھیں فاطمہ
نالوں سے آسماں کو ہلاتی تھیں فاطمہ

چوما کبھی تو باپ کی تربت کو پیار سے
تعویذ کی طرح کبھی لپٹیں مزار سے

اس روز سے بتولؑ کی حالت ہوئی تباہ
حسرت سے منہ پہ بچوں کے کرتیں کبھی نگاہ
روتی تھیں اپنے حجرہ میں ہر دم باشک و آہ
کہتیں کبھی علیؑ سے کہ اے ضیغم الٰہ

اب سیدہ کو موت کا بس اشتیاق ہے
ایام وصل ختم ہیں وقت فراق ہے

رخصت ہوں تم سے اور وصیت ہے یہ مری
میرے حسنؑ حسینؑ کو ایذا نہ دے کوئی
بچوں سے میرے رہیو خبردار یا علیؑ
مجھ سے جدا یہ رات کو سوئے کبھی نہیں

مر جاؤں جب میں چھاتی سے ان کو لگائیو
دونوں کو پیار کیجو گلے سے لگائیو

ہر دم مجھے غش آتا ہے یا شاہ بحر و بر
ہوتا ہے اس کے حال پہ ٹکڑے مرا جگر
زینبؑ ابھی سے روتی ہے منہ ڈھانپ ڈھانپ کر
یہ میری لاڈلی مرے غم میں نہ جائے مر

مجھ کو دعائیں جینے کی دن رات دیتی ہے
ہر دم بلائیں ننھے سے ہاتھوں سے لیتی ہے

آہ آہ! حضرات جناب فاطمہ زہرا کو کسقدر خیال تھا وقت آخر تک اپنے دونوں شہزادوں نازوں کے پالوں کا اور اپنی بیٹی جناب زینبؑ کا ایک ایک بی بی سے رو کر منتیں کرتی تھیں کہ دیکھنا میں نے انھیں بڑی مصیبتوں سے پالا ہے ایک پل ان کو اپنے پہلو سے جدا نہیں کیا ان کو سدا اپنے سینے پر سلایا ہے۔ میرے گذر نے کے بعد دنیا انکی آنکھوں میں اندھیر ہو جائے گی۔ بی بیو! یہ ماہی بے آب کی طرح میری میت سے لپٹ لپٹ کر روئینگے تم انھیں چھاتی سے لگا لینا اور تسلی دلاسا دینا۔ خصوصًا میر الخت جگر نور نظر حسینؑ اور میری

معصوم بچی زینبؑ بہت کمسن ہیں۔ اور مجھ سے بیحد مانوس ہیں۔ دیکھنا بیبیو! ان کے بلکنے سے میری روح تڑپ جائے گی۔ جب یہ بیتاب ہوکر میری میت کی طرف روتے پیٹتے دوڑیں تو ان کو اپنی گود میں لے لینا۔ مومنین کیا حال ہوا ہوگا فاطمہ زہرا صلواۃ اللہ علیہا کا روز عاشورہ جب اس لاڈلے بیٹے حسینؑ کو دیکھا ہوگا اس عالم میں کہ زخموں سے بدن چور چور ہے۔ آپ ایک بلندی پر کھڑے ہیں۔ عزیزوں کی لاشیں ریگ گرم پر بے غسل وکفن پڑی ہیں۔ آپ ایک ایک پر چاروں طرف عجیب حسرت کی نظر ڈالتے ہیں اور رو رو کر فرماتے ہیں کہ اے بھائی عباس میرے بازوؤں کو سنبھالو کہ قوت ان کی جاتی رہی۔ اے قاسم مظلوم افسوس اپنے خون میں لوٹ کر العطش العطش پکارتے پکارتے ہمیشہ کو خاموش ہوگیا اور تیرا بیکس و بے بس چچا تیرے خشک لب تر نہ کر سکا۔ میں روز حشر کیونکر اپنے برادر مکرم حسنؑ مجتبیٰ کو صورت دکھاؤں گا۔ ندامت سے میری آنکھ اونچی نہ ہوگی۔ کبھی اپنے کڑیل جوان بیٹے کی لاش کو دیکھ کر فرماتے تھے کہ اے میرے نانا کی آخری نشانی اُٹھ کے اپنے بابا کی کمر کو تھام لو کہ اب اس سے سنبھلا نہیں جاتا۔ آہ آہ مومنین کیا یہ معظمہ اپنی قبر مطہر سے بال کھولے گریبان چاک خاک اڑاتی ہوئی ارض کربلا پر تشریف نہ لے آئی ہوں۔ اسوقت جب شمر ملعون ان کے نازوں کے پالے کے سینۂ مطہر پر سوار ہوکر حلقوم مبارک کو مثل گوسفند خنجر کند سے جدا کر رہا ہوگا۔ اور بھائی کی پروا نہ بہن در خیمہ پر کھڑی ہوئی بلک رہی ہوگی۔ زمین و آسمان کانپ رہے ہونگے۔ اور منادی ندا کر رہا ہوگا۔ قُتِلَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلَا۔ القصہ اے مومنین روایت میں وارد ہوا ہے کہ جب شدت مرض کی اُن معظمہؑ پر ہوئی تو جناب رسولخدا صلعم خواب میں اپنے جگر گوشے کے تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ اے میری پارۂ جگر جلد آ کہ جنت کے دروازہ پہ تیرا باپ منتظر کھڑا ہے حوریں اور غلمان تیرے استقبال و زیارت کے لئے ایستادہ ہیں۔ تو حضرت یہ معظمہ خواب سے چونکیں۔ اپنے دونوں شہزادے حسنؑ و حسینؑ کو بلوایا، اپنے ہاتھوں سے اُن کو نہلایا، لباس فاخرہ پہنایا، گیسوؤں میں ان کے شانہ کرتی جاتی تھیں اور فرماتی جاتی تھیں۔ میرے شہزادو! اب تم آج سے اپنے بابا کے سینہ پر سونے کی عادت ڈالو۔ یہ کہہ کر تاب ضبط نہ رہی دونوں کو کلیجے سے لگا لیا اور روتے روتے ہچکی بندھ گئی

وہ دونوں شہزادے بھی بے اختیار زار زار رونے لگے۔ گھبرا کر اپنے آنسوان معصومہ نے رومال سے پونچھے، اور کہا کہ اے میرے شہزادو! میں تمہیں واسطہ دیتی ہوں رب العزت کا نہ روؤ کہ ماں کے کلیجے کے ٹکڑے اڑے جاتے ہیں۔ میری آنکھوں کی روشنی جاؤ! اور اپنے نانا جان کی قبر مطہر پر جا کر اپنے ننھے ننھے ہاتھوں کو بلند کر کے میرے لئے دعا کرو۔

بولیں یہ پھر وہ بیٹوں کو چھاتی لگا لگا
واں ننھے ننھے ہاتھ اٹھا کر کرو دعا
تم جاؤ سوئے روضۂ محبوب کبریا
تا جسم فاطمہ پہ کرے رب دوسرا

بھیجا اِدھر تو دونوں کو بنت رسولؐ نے
یہ کہہ کے بند حجرہ کیا پھر بتولؑ نے

اسما ردا کو اوڑھ کے میں لیٹتی ہوں یہاں
آئیں جو لوٹ کر یہاں حسنینؑ میری جاں
باہر تم آ کے بیٹھو ذرا میری مہرباں
ان سے خبر نہ مرنے کی کر دینا تم بیاں

اندر نہ آ کے دیکھ لینا مرے دل کے چین کو
سمجھا بجھا کے روک ہی لینا حسینؑ کو

لیٹیں ردا کو اوڑھ کے پھر بنت مصطفیٰؐ
رو رو کے تب یہ کرنے لگیں رب سے وہ دعا
بن ماں کے ہونا بچوں کا نظروں میں پھر گیا
یارب تو صبر دیجو انہیں بہر مرتضیٰؑ

کیا جانیے کیا بتولؑ کے دل پر گزر گئی
اک ہچکی لے کے بچوں کو بن ماں کا کر گئی

ابھی کچھ دیر رحلت جناب فاطمہ زہرا کو نہ گزری تھی کہ آ گئے آ گئے ان کا شہزادہ دو لقمہ ائے سیدۂ عالم میں روضہ انور سرور کائنات سے اپنی والدہ ماجدہ کے لئے دعا کر کے واپس ہوا اور پیچھے پیچھے اس نور دیدہ سیدۂ عالم کے جناب حسنؑ مجتبیٰ تھے۔

اسما سے حال اماں کا پوچھا حسینؑ نے
اماں کو جبکہ گھر میں نہ پایا حسینؑ نے
گھبرا کے چاروں سمت کو دیکھا حسینؑ نے
رو رو کے سارے گھر کو رلایا حسینؑ نے

ہر سو وہ پھر رہے تھے ذرا بیقرار تھے
سکتے میں دیکھتے تھے حرم اشکبار تھے

پھر سوئے چہرہ دوڑے بصد نالۂ فغاں
مادر کہاں ہیں کیوں نہیں کرتی ہو تم بیاں

اسماء سے بولے تم بھلا بیٹھی ہو کیوں یہاں
آنسو تمہاری آنکھوں سے آخر ہیں کیوں رواں

ہٹ جاؤ تم یہاں سے کہ حجرے میں جائینگے
ہم کو یقین ہے ماں کو وہیں اپنی پائیں گے

اسماء بنت عمیسؓ ہر چند طرح طرح سے اس شہزادے کو روکنے کی کوشش کرتی رہیں۔ لیکن حضرات انھوں نے دروازہ حجرے کا کھولا اور اندر تشریف لے گئے۔ ہائے ہائے مومنین! صاحبان اولاد اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ لیں۔ ایک قیامت کا منظر راوی بیان کرتا ہے کہ یہاں کا شیدائی اندر حجرے کے داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ معظمہ چادر سر سے پاؤں تک اوڑھے لیٹی ہیں۔ یہ بچہ سہم گیا پھر قریب جا کر آہستہ سے اماں جان کو پکارا مگر جواب نہ پایا۔ رو کر دوبارہ ماں کو آواز دی۔ مگر ہائے جب دوسری مرتبہ بھی آواز اپنی مادر گرامی کی نہ سنی تو بیتاب ہو گیا۔ یہ بچہ آگے بڑھ کر ردا چہرۂ مبارک سے سیدہ عالم کے ہٹا کر ایسی دردناک آواز سے ماں کو پکارا کہ نعش مطہران جناب کی جنبش میں آئی۔ آنکھیں کھل گئیں اور دونوں ہاتھ اپنے نور دیدہ کی طرف بڑھے اور نازوں کے پالے کو چھاتی سے لگا لیا۔ دونوں کی چیخیں نکل گئیں زمین و آسمان میں حضرات ایک لرزہ سا پیدا ہو گیا۔ ناگاہ ہاتف غیبی کی آواز آئی شہزادۂ سیدۂ عالم کو جلد دلاسا تسلی دیکر خاموش کرو کہ رونا اس بچہ کا دیکھکر ملائکہ میں عرش پر شور نالہ و فغاں بلند ہے۔ اے عزادارو! جب بی بیوں نے آپ کے شہزادہ کو جدا کیا میت سے اپنی ماں کی تو وہ جدا نہ ہوتا تھا اور مثل ماہئ بے آب بسمل ہوا جاتا تھا۔ بی بیوں سے اس معصوم کی حالت دیکھی نہ گئی ایک کہرام عظیم برپا ہو گیا۔ ۔۔۔

فریاد و آہ کی وہ صدائیں وہ شور و شین
زینبؑ کو ہائے آتا نہ تھا ایک پل کو چین

گریاں علیؑ تھے کرتے تھے ماتم حسنؑ حسینؑ
میت کے پاس کرتی تھیں وہ اس قسم کے بین

سن سن کے بین کو ہائے حرم بے قرار تھے
اغیار تک بھی سن کے جنھیں اشکبار تھے

کہتی تھیں اماں ہم کو بھی ہمراہ لے چلو واری گئی میں دیتے تم کیوں خموش ہو	کیا کچھ قصور ہو گیا ہم کو بتا تو دو کہدو اشارے سے ہی اگر منہ سے کچھ کہو

کہتی تھیں بھائی سے کہ اماں کہیں گے ہم
بابا بتائیے بھلا کیوں کر جئیں گے ہم

آہ! آہ! مومنین جب جنازہ جناب سیدہ عالم کا لیکر چلے تو اک قیامت بپا ہو گئی بن باپ کے بچے پچھاڑیں کھا رہے تھے اور بے حال ہوئے جاتے تھے۔ ہر چند علی مرتضیٰ گلے سے لگاتے تھے اور تسلی دیتے تھے۔ مگر ان بچوں کا بلکنا کم نہ ہوتا تھا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

محبوب کبریا کا وصی بے نظیر ہے　**مجلس دوم**　مومن کی ہر رہی میں وہی تو نصیر ہے

مجلس دوم

حضرت علیؑ ابن ابیطالب کا اپنی شہادت کے متعلق پیشین گوئی فرمانا۔ اپنے قاتل سے ملاقات کر کے نصیحت کرنا۔ اسی ملعون کے ہاتھ سے آنجناب کا مسجد کوفہ میں قتل ہونا

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

تحقیق کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی (محمدؐ) پر درود بھیجتے ہیں۔ (پس) اے ایماندارو تم بھی درود بھیجتے رہو اور برابر سلام کرتے رہو جو حق ہے سلام کرنے کا؛

حمد و ثنا اس خلاق عالم کی جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ اس کی ہستی کو کبھی فنا نہیں۔ سرچشمہ کرم کی عین رحمت تھی کہ اس نے رحمۃ للعالمین جیسا برگزیدہ پیغمبر خلق فرمایا اور احادیث میں وارد ہے کہ جب زمین آسمان، عرش۔ فرش۔ ملائک اور دوزخ، ہوا پانی۔ آفتاب۔ ماہتاب، چرند، پرند، انس و جن کچھ نہ تھا۔ صرف ذات مقدس ارفع و اعلیٰ پروردگار عالم کی تھی۔ مشیت باری تعالیٰ میں گذرا کہ میں اپنے آپ کو پہچنواؤں۔ پس خلق کیا نور محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو۔

خلد و جہنم و قمر و شمس پُر ضیا — غلمان و حور لوح و قلم سطح دوسرا
آب و ہوا و نجم و فلک عرش باصفا — لیل و نہار و شجرت و ارض خوش لقا

جن و ملک نہ آدم و حوا کا نور تھا
ان سب سے پہلے نور تجلّیٔ طور تھا

اِسی نورِ اول کے پَرتو سے تمام کائنات کی خلقت ہوئی۔ عقل انسانی انگشت بدنداں ہے۔ انس و جن و ملک کی کیا مجال و تاب و طاقت ہے کہ معرفت اس نور کی حاصل ہو سکے۔

نورِ حبیبِ حق تھا عجب نور پُر ضیا — جس پر چمک تھی مہرِ منور کی بھی فدا
اس نور کی ضیا سے تجلّاتی دوسرا — پیدا دوازدہ ہوئے پردے بصد صفا

یہ جاہ انبیاء میں کسی کو ملا نہیں
پیغمبروں میں کوئی حبیبِ خدا نہیں

پَرتوِ نورِ پاک کے پھر حق نے اک کیا — دریائے نور بیس گئے خلق۔ آبدار
ہر دو شرف ہیں جنکے کتابوں سے آشکار — قربانِ عکسِ نورِ شہِ آسمان وقار

ایسی ضیا نصیب کہاں آفتاب کو
جو ضو ملی تھی نورِ رسالت مآب کو

پس بعد خلق کرنے اس نورِ بے عدیل کے ارشادِ رب العزت ہوا کہ اے نورِ اول تو افضل ہوگا کل مخلوق سے میری تا قیامت۔

جب قلزمِ اخیر سے نکلا وہ باصفا — اُس نور سے خدائے خلائق نے یہ کہا
اے بادشاہ کون و مکاں فخرِ انبیا — افضل تمام خلق سے پیدا تجھے کیا

برتر ہے تیرے نور کی ضو مہر و ماہ سے
رتبہ ترا رفیع ہے عرشِ الٰہ سے

نورِ حبیب نے جو کیا حق نے یہ کلام — سنتے ہی پھر سجدہ ہوا خم باحترام
جب سر اٹھایا سجدے سے سرکوبِ سلام — ماتھے پہ قطرہ ہائے عرق آ گئے تمام

رفعت جبیں کو ان کی یہ اس دم عطا ہوئی
قطروں سے اس عرق کے رُسُل کی بنا ہوئی

پروردگار عالم نے اپنے اس محبوب ترین گوہر کو اپنے سے جدا نہ کیا یہانتک کہ وہ وقت آیا کہ تمام سرزمین عرب کو کفر و جہالت کی تیرہ و تار گھٹاؤں نے گھیر لیا۔ دریائے رحمت ایزدی جوش میں آیا اور اس نے اس شہنشاہ یثرب و بطحا کے سر پر رحمۃ للعالمین کا تاج خسروانہ رکھ کر فرش پر بھیجا۔ یہی نہیں بلکہ اپنے حبیب کو اسد اللہ جیسا بھائی وصی اور وزیر بھی عطا فرمایا۔ جس کے متعلق اشرف ترین انبیاء نے خود ارشاد فرمایا کہ میں اور علیؑ ایک ہی نور سے خلق ہوئے ہیں۔ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ جس نے اسے اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی۔ جس سے یہ خوش ہوا اس سے میں خوش ہوا۔ علیؑ ایمان کل ہے علیؑ کا ذکر عبادت ہے۔

ختم رسل کا میرے وصی بھی ہے لاجواب
محبوب حق ہیں یہ تو ہیں وہ بھی ابوتراب

احمد اگر ہیں شمس تو حیدر ہیں ماہتاب
رتبے ہوں کیا بیاں شہ بالا فلک جناب

ہے عرش کو سکون زمیں کو قرار ہے
ذکر علیؑ عبادت پروردگار ہے

ایسا وصی کسی کو بھی اللہ نے دیا
خود عقد جس کا عرش پہ اللہ نے پڑھا

جس کو خطاب حق سے یداللہ کا ملا
حسنینؑ سے پسر ہوئے کس کو بھلا عطا

محبوب کبریا کا وصی بے نظیر ہے
مومن کی ہر کڑی میں وہی تو نصیر ہے

زبان میں کہاں یہ قدرت کہ اوصاف حمیدہ اور صفات پسندیدہ اس قلب رسالت کی بیان کر سکے۔ قلم کی کیا مجال کہ اوصاف روح امامت کے سپرد قرطاس کر سکے۔ جن و انس و ملک ملکر اگر مدح سرائی کریں اس مدیح شہ ایمان کی تب بھی تمہید فضائلِ علیؑ ابن ابی طالب کی تشنہ رہ جائے۔ اے ہمارے آقا و مولا تم زمانے کے مشکلکشا ہو۔ تمہاری مدح و ثنا

کیا کوئی بیان کر سکتا ہے۔ ؎

عیسیٰ کے مسیحا ہو دو عالم کی دوا ہو — مومن کے لئے تم سپر حفظ خدا ہو
اعجاز نما راہ نما عقدہ کشا ہو — یا شاہ نجف آپ کی کیا مدح و ثنا ہو
گر کفر نہ ہوتا تو یہ کہتا کہ خدا ہو

یعقوب کو دیدار پسر تم نے دکھایا — سلمان کو ہے شیر کے پنجے سے چھڑایا
عیسیٰ سے سوا آپ کو ہر بات میں پایا — چاہا جسے مارا جسے جی چاہا جلایا
پھر کیوں نہ نصیری کہے تمکو کہ خدا ہو

قوت میں شجاعت میں نہیں آپکا ہمسر — پر کاٹے فرشتوں کے جنوں کو کیا بے سر
حاصل کیا حیدر کا لقب چیر کے اژدر — دو انگلیوں سے تم نے اکھاڑا در خیبر
اس قوت بازو پہ نبی کیوں نہ فدا ہو

شاہوں کو سخاوت میں نہیں آپ سے نسبت — وہ قطرے ہیں تم قلزم ذخار سخاوت
کیا تیری سعادت ہو بیاں کیا تری رفعت — کعبہ میں ولادت ہوئی مسجد میں شہادت
کیوں عز و شرف تیرا نہ مقبول خدا ہو

داغ کف موسیٰ ید بیضا کیا تم نے — دکھ درد سے ایوب کو اچھا کیا تم نے
ذرے کو قمر قطرے کو دریا کیا تم نے — بن باپ کے بیٹے کو مسیحا کیا تم نے
ڈرتا ہوں کہیں منہ سے نہ کہہ بیٹھوں خدا ہو

جز ختم رسل آپ سے کوئی نہیں بہتر — بے وحی کیا آپ نے ہے کار پیمبر
اعجاز پیمبرؐ سے ہوا دو مہ انور — کی آپ نے بھی رجعت خورشید مکرر
مختار جہاں بعد نبی تم بخدا ہو

مداح تری مدح کے لکھنے میں ہے حیراں — ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہے پریشاں
قدرت یہ کسی میں نہیں جز خالق یزداں — اک وقت میں چالیس جگہ تم ہوئے مہماں
ہوتا ہے عیاں اس سے کہ اسرار خدا ہو

مگر مومنین افسوس صد ہزار افسوس کہ ایسے آقا و مولا کو رمضان کے مہینے میں خانۂ خدا میں نماز

صبح ادا کرتے ہوئے ابن ملجم ملعون نے فرق پاک پر زہر آلود سے ایسا مجروح کیا کہ جاں بر نہ ہو سکے۔ ع

بے جرم و خطا حیدرؑ کرار کو مارا	احمدؐ کے وصی سید ابرار کو مارا
اللہ کے محبوب کے دلدار کو مارا	مسجد میں ستم کر دیا دیندار کو مارا

بجلی نہ گری ہائے شقیٔ ازلی پر
شل ہو نہ گیا ہاتھ جو اٹھا تھا علیؑ پر

راویانِ جگر سوز و ناقلانِ حکایت غم اندوز بیان کرتے ہیں کہ ہمارے آقا و مولا علیؑ ابن ابیطالب ابن علم لدنی کی مدد سے جو پروردگار عالم نے ان کو عطا فرمایا تھا۔ اپنی شہادت کی پیشین گوئی فرمایا کرتے تھے۔ ہائے ہائے آنجناب نے شہادت سے ایک سال قبل خضاب لگانا ترک کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ اصبغ بن نباتہ نے پوچھا۔ اے میرے آقا میرے ماں باپ کی جان آپ پر قربان ہو جائے آپ نے خضاب لگانا کیوں چھوڑ دیا۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے آہ سرد بھری اور فرمایا اے اصبغ مجھے اب دوسرے خضاب کا انتظار ہے۔ اب میری یہ ریش میرے سر کے خون سے خضاب ہو گی۔ اصبغ یہ سن کر زار زار رونے لگے اور سر پیٹ کر کہا۔ ع

آقا مرے للہ نہ یہ مجھ کو سنائیں	یوں خون کے آنسو مرے مولا نہ رلائیں
ماں باپ مرے جاں بہ فدا آپ کی جائیں	قاتل کا مجھے نام و نسب آپ بتائیں

بدبخت کو سفاک کو میں جان سے ماروں
عبرت ہو زمانہ کو میں اس شان سے ماروں

حضرت نے ایک حسرت کی نظر اصبغ پر ڈالی اور ارشاد فرمایا اے اصبغ مجھے تیری محبت سے یہی امید تھی مگر افسوس کہ مقدرات کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں بدل سکتی۔ بن نباتہ یہ بات میرے لئے مقدر ہو چکی ہے۔

راوی کہتا ہے کہ ایک روز امیر خیبر گیر میثم تمار کی دوکان پر تشریف فرما تھے دیکھا آپ نے کہ ابن ملجم ملعون قطامہ ملعونہ کی طرف سے آ رہا ہے۔ زہر آلود تلوار گلے میں حمائل ہے

گھبرا گھبرا کر چاروں طرف دیکھتا جاتا ہے۔ اس کی نظر امیر المومنین پر پڑی۔ خوف سے تھرا گیا اور کترا کے آگے بڑھ گیا۔ حضرت نے اس سیہ بخت کو آواز دی اور پوچھا کہ اے ملجم کے بیٹے تو یہاں کس ارادہ سے آیا ہے۔ وہ روسیاہ بولا کہ کوفہ کے بازاروں کی سیر کو آیا آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو مسجدوں میں جا تا کہ تیری مراد بر آئے گی۔ یہ اس سے بہتر ہوگا کہ تو بازاروں میں ناکام و حیران و پریشان پھرا کرے۔ یہ سنکر ابن ملجم کا چہرہ فق ہو گیا گردن جھکائی اور چلا گیا۔ حضرت نے اس کے جانے کے بعد فرمایا۔ میں تو اس کی زندگی چاہتا ہوں اور یہ میرے قتل کے درپے ہے۔ اس کے بعد میثم سے فرمایا۔ اے میثم واللہ! یہی شخص میرا قاتل ہے۔ خدا کے برگزیدہ رسول نے مجھے خبر دی تھی۔ میثم یہ سنکر بیتاب ہو گیا۔ اور کہا میرے آقا میں ابھی اس کو گرفتار کر کے لاتا ہوں۔ اس ملعون کا قتل واجب ہے۔ آپ نے میثم کو منع فرمایا۔ اور کہا کہ اے میثم گناہ سرزد ہونے سے قبل قصاص لینا اسلام کی شرع میں ناجائز ہے۔ میثم نے کہا تو مولا آپ اسے شہر بدر فرما دیجئے آپ کے آقا و مولا نے فرمایا کسی فعل کے وقوع میں آنے سے پہلے اس کو سزا نہیں دے سکتا۔

مومنین اس واقعہ کو زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ ماہ رمضان کی انیسویں شب نمودار ہوئی۔ آپ کے آقا و مولا پر ایک خاص اضطراب کا عالم تھا زار زار روتے تھے اور یہ فرماتے تھے رب العزت میں تیرے دربار میں خالی ہاتھ آرہا ہوں۔ اے پالنے والے سفر آخرت درپیش ہے اور مطلق زاد راہ نہیں ہے۔ اے رحمت کے سرچشمے اپنے عاصی بندہ کو اپنی رحمت کے دامن میں چھپا لے۔ مومنین حضرت نے تمام شب اسی اضطراب میں گذاری۔ یہانتک کہ آثار سحر نمودار ہوگئے۔ آپ در دولت سے مسجد کی طرف روانہ ہونے لگے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ ہر طرف در و دیوار سے اس قیامت کی حسرت برس رہی تھی کہ جگر منہ کو آیا جاتا تھا۔ ابھی حضرت گھر کے صحن میں تھے کہ مرغابیوں نے سخت دردناک آواز سے چیخنا شروع کیا۔ اور بڑھ کر علی مرتضیٰ کا دامن اپنی منقاروں سے تھام لیا۔

القصہ تھی ابھی وہ شب قتل ناتمام
دامن امام کا لیا مرغابیوں نے تھام

پیش سحر جہاں ہوئے مسجد کو وہ امام
ان کو ہٹایا جب تو علیؑ نے کیا کلام

اے بی بیو خفا نہ ہو تم جانور ہیں یہ
دامن سے مت چھڑاؤ مرے نوحہ گر ہیں یہ

مرغابیاں دامن حضرت کا نہ چھوڑتی تھیں۔ گویا چلا چلا کر زبان حال سے کہہ رہی تھیں

آقا نہ جائیے مرے مولا نہ جائیے
قربان جائیں آپ پہ شاہا نہ جائیے

ہو جائینگے یتیم یہ فرزند آپ کے
مسجد میں دیکھئے شہ والا نہ جائیے

حضرت نے بی بیوں سے فرمایا کہ انھیں مجھ سے کمال انس ہے۔ میرے بعد ان کی خبر گیری میں کوتاہی نہ کرنا۔ یہ فرما کر آگے بڑھے۔

کھکر سخن کیا در دولت سرا کو وا
اس کا بھی کچھ ہوا نہ خیال انکو مطلقا

حلقے سے در کے واں بھی کمر بند الجھ گیا
بہنوں نے شبیرؑ و حسنؑ سے یہ جا کہا

اے بھائی جان خواب سے سر کو اٹھاؤ تم
بابا اکیلے جاتے ہیں ساتھ لگے جاؤ تم

القصہ حضرات! انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے مسجد کی سمت روانہ ہوگئے

مسجد میں آن کر کہی مولا نے تب اذان
اس نے جگایا بیٹے کو ملجم کے مومناں

قطامہ نے غرض سنی آواز ناگہاں
مسجد میں آکے سو رہا وہ مانند خفتگاں

فرصت اذاں سے جب ہوئی شاہ حجاز کو
محراب میں ادا لگے کرنے نماز کو

اسوقت ابن ملجم ملعون بھی اٹھا
سر مرتضیٰ کا سجدۂ اول سے جب اٹھا

لگ کر ستوں سے مسجد کو نہیں چھپ رہا
اس نے لگائی تیغ پہ حاصل نہ کچھ ہوا

دیکھو ذرا خدا سے علیؑ کے نیاز کو
ہرگز نہ روزہ دار نے توڑا نماز کو

آہ آہ مومنین گریبان اپنے چاک کر ڈالو اور سروں پر خاک ڈالو۔ آپ کے روزہ دار امام

چوں ہی دوسرے سجدے کے لئے تشریف لے گئے۔

ہے ہے جھکا جو دوسرے سجدہ میں انکا سر
دوپارہ ہائے ہو گیا حضرت کا وسط سر
اسوقت اس لعین کی ہوئی تیغ کارگر
تیورا کے آپ گر گئے اپنے مقام پر
خوں سر کا تا بہ ریش مبارک رواں ہوا
ابرو و تلک شگاف جبیں کا عیاں ہوا

ہائے ہائے عزادارو! قیامت کا وقت تھا۔

سجدہ میں شیر حق کا دوپارا ہوا جو سر
آلو لہو کہ ہو گئی محراب خوں سے تر
اکبار کانپنے لگے مسجد کے بام و در
اک زلزلہ سا بس ہوا نازل زمین پر
گردوں پہ جبرئیل پکارے غضب ہوا
سجدے میں حق کے قتل امیر عرب ہوا

پہنچی جو گوش حضرت زینب میں یہ صدا
دوڑو خدا کے واسطے مسجد کو تم ذرا
رو کر جناب شبر و شبیر سے کہا
کہتا ہے کوئی قتل ہوئے شاہ لافتا
اللہ کیا ہوا مرے شاہ حجاز کو
بابا ابھی تو گھر سے گئے تھے نماز کو

یہ سن کے دوڑے جانب مسجد حسن حسین
اور خوں میں اپنے لوٹتے ہیں شاہ مشرقین
دیکھا کہ رو رہے ہیں نمازی بشور و شین
سر اپنا پیٹنے لگے زہرا کے نور عین
غم سے کلیجے دونوں کے سینوں میں پھٹ گئے
چلا کے ہائے بابا کہا اور لپٹ گئے

پہلو میں بیٹھ کر یہ پکارے وہ مہ لقا
ظالم کو خوف حق تھا نہ کچھ پاس مصطفےٰ
بابا ذرا بتائیے کس نے یہ کی جفا
گھر میں خدا کے ظلم کیا آہ بے خطا
ہیں غش میں آپ خوں سے مصلیٰ بھی لال ہے
بابا نمازیوں کا بھی اب غیر حال ہے

القصہ لائے گھر میں علی کو وہ نوحہ گر
آہستہ سے لٹا دیا لا کر سریر پر

جرّاح کو بلا کے دکھایا جو زخم سر
کی عرض اس نے دیکھ کے پھر تب بچشم تر

بس اب علاج یہ ہے خدا سے دعا کریں
زہر اپنا کام کر چکا اب کیا دوا کریں

حضرت کے گرد جمع تھے اصحاب باوفا
فرماتے تھے ہر ایک سے آنسو بہا بہا
تم سے وصی رسول کا ہوتا ہے اب جدا
آپہنچی بھائیو مرے سر پر مری قضا

تم میں ہمارے خاک سروں پہ اڑاؤ گے
بھائی کو مصطفےٰ کے نہ دنیا میں پاؤ گے

اللہ اکبر مومنین! آقا کو آپ کے اتنا کہہ کر غش آگیا۔ آپ کی شہزادیوں زینبؑ اور ام کلثومؑ کی حالت غیر ہوئی جاتی تھی۔ بیتاب و بیقرار پس پردہ کھڑی ہوئی پیٹ رہی تھیں۔ ؎

یہ کہتے تھے کہ شیر خدا کو غش آگیا
پردہ کے پاس آن کے زینبؑ نے یہ کہا
بھائی حسین لوگوں سے اتنا کہو ذرا
گھر اپنے جائیں وقت ملاقات ہو چکا

آتے ہیں غش پہ غش شہ کون و مکان کو
جی بھر کے اب تو دیکھنے دو بابا جان کو

روتے ہوئے وداع ہوئے شہ کے دوستدار
زینبؑ بلائیں لینے لگیں شہ کی بار بار
بیٹوں سے تب یہ کہنے لگے شاہ ذوالفقار
آؤ مرے قریب بہت ہوں میں بیقرار

یہ سن کے روتے روتے وہ اُن کے اُٹھ گئے
سب دوڑ کر علیؑ کے قدم سے لپٹ گئے

الغرض مومنین تمام دن آپ کے آقا اور مولا کا سخت کرب اور بے چینی میں گذرا۔ تمام روئے مبارک حضرت کا خون بہہ جانے سے زرد ہو گیا تھا۔ نقاہت سے غش پر غش آتے تھے۔ تمام رات اور دوسرا دن عجیب اضطراب میں کٹا۔ یہاں تک کہ دوسری شب آپہنچی اور اب حالت حضرت کی غیر ہوئی جاتی تھی۔ زہر کا اثر تمام جسم مطہر پر نمایاں تھا۔ اے عزاداروا اب وصی سرور کائنات چند ساعت کے مہمان تھے اپنے جاں بر ہونے سے یاس ہو چکی تھی ہائے ہائے مومنین! کیوں نہ آسمان پھٹ پڑا۔ اسوقت ہمارے آقا و مولا نے ایک آخری

حسرت بھری نظر تمام گھر کی در و دیوار پر ڈالی اور سب کی الوداع کہنے کے لئے اشارے
سے اپنے قریب بلایا۔ آہ آہ! کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ دل کے ٹکڑے ہوئے جاتے ہیں۔ اس
قیامت خیز منظر کے تصور سے کہ جب حضرت زار زار روتے جاتے تھے اور ایک ایک کو
سینے سے لگاتے جاتے تھے۔ سب سے پہلے اپنی دکھیا بیٹی زینبؑ کو گلے سے لگایا۔ اور
فرمایا میری غمزدہ بیٹی تیرا باپ تجھ سے بہت نادم ہے۔ میری لخت جگر جب سے تو نے
اس گھر میں آنکھ کھولی ایک دن بھی سکھ کا گذارا نصیب نہ ہوا۔ اے میری راحت جان تیرا
باپ تجھ پہ فدا ہو۔ تیرے نانا جان کے سفر آخرت کے بعد سے زمانہ میرا دشمن ہو گیا۔ یہاں تک
کہ مجھے نان شبینہ تک کو محتاج کر دیا۔ میں تیری نازبرداری کی کل حسرتیں اور آرزوئیں دل میں ساتھ
لئے جا رہا ہوں۔ اے میری صابرہ بیٹی اور اے سیدہ عالم کی جیتی جاگتی تصویر تو نے آج تک ہر مصیبت
پر صبر عظیم کیا۔ تیرا بابا سمجھتا ہے اس آخری وقت میں بھی کہ تیری آئندہ زندگی اس سے بھی
زیادہ دکھ درد سے بھری ہے۔ مصائب و آلام کے پہاڑ تجھ پر ٹوٹیں گے۔ ہمارے لگائے ہوئے
باغ کے تمام پھول چن چن کر توڑ لئے جائیں گے۔ ایک ایک پودے کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک
دیا جائے گا۔ یہی نہیں بلکہ ننھی ننھی کلیاں تک رسول کی امت باقی نہ چھوڑے گی۔ ایک وقت میں
وہ پھولتا پھلتا ہرا بھرا باغ ایسا تاراج ہوگا کہ پھر قیامت تک سرسبز نہ ہوگا۔ امت رسول خدا
کے کلیجے میں ٹھنڈک پھر بھی نہ پڑے گی بلکہ تمہیں اس گھر کی بربادی پہ رونے تک نہ دیا جائیگا
تمہارے خیموں میں آگ لگا دی جائے گی۔ تمہاری ردائیں سروں سے چھین لی جائینگی۔ تمہیں
بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کر کے کوفہ اور شام کے بازاروں میں سر برہنہ تشہیر کر کے یزید کے بھرے
دربار میں پیش کیا جائے گا۔ میری جان! تیرے اس باپ کی جان اس وقت تجھے اس بے کسی و بے بسی کی
حالت میں چھوڑ کر تجھ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہا ہے۔ ایک امر صرف ایک وصیت
ہے کہ اے لخت جگر اے راحت جان چونکہ تم ان سب مصائب پر بھی صبر کرو گی اور اپنے نانا کی
امت کے لئے بد دعا نہ کرنا۔ اے مومنین! آپ یہ کہکر آگے بڑھے تو جناب اتنا روئے کہ غش آ گیا تمام
گھر میں ایک کہرام بپا تھا۔ غمزدہ بیٹی اپنے مجروح باپ کے سینے سے لپٹی ہوئی بلک رہی تھی۔ آپ
کے سینے پر آنکھ کھولی اور سے

روئے علیؑ حسنؑ کو گلے سے لگا لیا
اور ہاتھ ان کے ہاتھ میں دونوں بیٹوں کا دیا
عباسؑ نامدار کے حق میں نہ کچھ کہا
بیٹے کھڑے تھے سامنے اور رنگ زرد تھا

پاس ادب سے باپ سے کچھ کہہ نہ سکتے تھے
ماں اُن کو دیکھتی تھی وہ منہ ماں کا تکتے تھے

امّ البنین قدم پہ گریں کھولے سر کے بال
کی عرض یا علیؑ ولی شیر ذوالجلال
عباس سے ہے خاطر اقدس پہ کیا ملال
لونڈی ہوں میں غلام ہے حضرت کا میرا لال

رہتا یہ خدمت حسن خوش صفات میں
ہاتھ اس غلام کا نہ دیا ان کے ہاتھ میں

امّ البنین سے کہ علیؑ نے کہی یہ بات
دیدوں حسنؑ کے ہاتھ میں کیونکر میں اسکا ہاتھ
شیدا ترے پسر کا ہے شبیرؑ خوش صفات
اور عاشق حسینؑ ہے عباس نیک ذات

شان بہادری ہے ترے نور عین میں
اس کا ازل سے ہاتھ ہے دست حسینؑ میں

عباسؑ کو بلا کے گلے سے لگا لیا
ہاتھ اس کا دیکے ہاتھ میں شبیرؑ کے کہا
اے لال یہ غلام تمہارا ہے باوفا
میری طرح سے پیار اسے کیجیو سدا

آفت کا دن جو تجھ کو مقدر دکھائے گا
اُس روز یہ غلام بہت کام آئے گا

یہ کہکر حضرت پر پھر شدید رقت طاری ہوئی اور روتے روتے پھر بے ہوش ہوگئے۔ آپ کے شاہزادے باپ کے منہ پر منہ رکھ کر بلکنے لگے۔ حضرت آخری بار پھر چونکے۔ ع

اکبار غش سے چونک کے بیٹوں سے یہ کہا
بغلوں میں ہاتھ دیکے اٹھاؤ مجھے ذرا
آئے ہیں میرے لینے کو جنت سے مصطفٰےؐ
بس اتنا کہہ کے چپ ہوئے پھر شاہ لافتیٰ

کچھ رات باقی تھی کہ جہاں سے گذر گئے
کہرام مچ گیا کہ علیؑ ہائے مر گئے

جس دم ملک میں شور قیامت ہوا عیاں
تھرا گئی زمین لگا ہلنے آسماں

سب منہ کو پیٹنے لگے با نالہ و فغاں
مابین آسمان و زمیں تھا یہی بیاں
واحسرتا کہ تخت امامت الٹ گیا
بس آج زور آل محمدؐ کا گھٹ گیا

بیٹوں نے بہر غسل اتارا جو پیرہن
پیوند اس کے دیکھ کے رونے لگے حسنؑ
رو کر کہا حسینؑ نے بھائی سے یہ سخن
مدت سے تھا گلے میں یہی جامۂ کہن
جو کہتا تھا کہ رخت بدن چاک چاک ہے
کہتے تھے مشرت، خاک کی پوشاک خاک ہے

بیٹے جو گھر سے لے چلے تابوت شاہ کا
گھر میں علیؑ کے ایک قیامت ہوئی بپا
غل پڑ گیا کہ ہائے علیؑ وا محمدا
سب بی بیاں نکل پڑیں گھر سے برہنہ پا
چلاتی تھیں کہاں ہمیں صورت دکھاتے ہو
شبیر اللہ قبر میں سونے کو جاتے ہو

غرض بیان غم اہلبیت آسان نیست

مجلس سوم

جناب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کی روانگی مدینہ سے بطرف خانہ کعبہ و اہالیان مدینہ کی گریہ و زاری

روایات معتبرہ میں وارد ہے کہ جب مجلس عزا برپا ہوتی ہے کسی مقام پر اور ذکر ہوتا ہے مصائب سید الشہداء کا تو آپ کی معظمہ جناب فاطمہؑ زہرا تشریف لاتی ہیں اس محفل غم میں اور سن سن کر روتی ہیں مصیبتیں اپنے نور نظر کی۔ لیکن جب شور گریہ و زاری مومنین و مومنات کا بلند ہوتا ہے تو بے تاب ہو جاتی ہیں خاتون جنت کہ ان سے دیکھا نہیں جاتا رونا اپنے لخت جگر کے محبوں کا۔ چنانچہ رومال سے آنسو پونچھتی جاتی ہیں ان رونے والوں کے اور فرماتی جاتی ہیں اے رب العزت تو بہت مرتبہ بلند فرما ان کے کہ روتے ہیں میرے اس شہید مظلوم پر جس پر رونے

دیا قوم جفاکار نے میرے اُس لٹے ہوئے قافلہ کو جو روزِ عاشورہ دوپہر میں ایسا لوٹا گیا کہ اس کی تباہی اور مظالم دیکھ کر خود اشقیا منھ پھیر پھیر کر روتے تھے۔ اے پالنے والے میرے ان عزاداروں کو جنھوں نے سوگ میں تیرے حبیب کے لاڈلے نواسے کے سیاہ ماتمی لباس پہنا ہے۔ تو عطا فرما ان کو خلعت فاخرہ روزِ محشر اور داخل فرمائیو جنت نعیم میں کہ جہاں شہد اور دودھ کی نہریں لہریں مار رہی ہونگی، اور اے باری تعالیٰ کوئی غم نہ دکھیو انھیں زندگی میں واسطہ دیتی ہوں میں تجھے اس شہید مظلوم کا جس پر دنیا کے مصائب ختم ہو گئے۔ دسویں ماہ محرم کو وقت عصر تک اے غریبوں کے والی ان محبان اہلبیت کو غریب الوطن نہ فرمائیو صدقہ میں ان رفقا کربلا پر ابدی نیند سونے والوں کے جو مدینہ سے ایسے آوارہ وطن ہوئے کہ پھر نصیب نہ ہوا ان کو وطن میں آنا۔

مومنین رونے جی بھر کے حبیب خدا کے اس غریب الوطن کنبے پر جسکو بدبخت ظالموں نے اُن کے وطن اور عزیزوں سے بغیر کسی خطا اور قصور کے چھڑایا۔ کلیجہ منھ کو آتا ہے۔ جگر خون ہوتا ہے بیان کرتے ہوئے مصائب اُن اہلبیت کے جنھیں مدینہ چھوڑ کر بھی کہیں اماں نہ ملی۔ اے عزادارو! عجیب مصیبت عظمیٰ ہے غریب الوطنی بھی کہ جس کے تصور سے رونگٹے بدن کے کھڑے ہوئے جاتے ہیں۔ سلام

دشمن کو بھی اللہ چھڑائے نہ وطن سے
واقف ہے مسافر کا دل اس رنج و محن سے
جانے وہی بلبل جو بچھڑ جائے چمن سے
چھٹتا نہیں گھر جان نکل جاتی ہے تن سے

آرام کی صورت نہیں مسکن سے بچھڑ کر
طائر بھی پھڑکتا ہے نشیمن سے بچھڑ کر

غربت کی بھی ہوتی ہے عجب صبح عجب شام
وہ دشت نوردی وہ غم و صدمہ و آلام
کرتا ہے سفر قافلۂ راحت و آرام
منزل پہ بھی ممکن نہیں راحت کا سرانجام

نیند آتی ہے کب لاکھ جو پٹکے وہ سر اپنا
یاد آتا ہے منزل پہ مسافر کو گھر اپنا

قالب تو سفر کرتا ہے دل رہتا ہے گھر میں
تصویر پھرا کرتی ہے اک اک کی نظر میں

درد اٹھتا ہے دل میں کبھی اک ہوک جگر میں | خونِ جگر آتا ہے کبھی دیدۂ تر میں

تارے ہی گنا کرتے سحر ہوتی ہے اکثر
کروٹ کو بدلتے ہی بسر ہوتی ہے اکثر

افسوس صد افسوس کہ ہمارے امام مظلوم سید الشہداء کو اعدائے دین گوشہ نشین بھی نہ دیکھ سکے اور اس امام عالیمقدار کو مجبور کر دیا کہ وہ گرمی کے موسم میں معہ اپنے تمام عزیزوں اور ننھے ننھے معصوموں کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کے اور صحرانوردی کے بعد اپنے خون میں نہانے کے لئے ارضِ کربلا پر جائے۔ اللہ اللہ! مومنین کیا قیامت کا وہ وقت ہوگا۔ اور مدینہ کی درودیوار پر کیسی حسرت برس رہی ہوگی۔ محلہ بنی ہاشم میں کیا حشر برپا ہوگا۔ عزادارو! کلیجہ پر ہاتھ رکھ لو اپنے کہ سنا دیا جائے گا بیان اس قافلہ سالار کے سفر کا۔

کنعانِ محمدؐ کے حسینوں کا سفر ہے | خورشید لقا زہرہ جبینوں کا سفر ہے
چھٹتا ہے وطن گوشہ نشینوں کا سفر ہے | اک دن کا نہیں کوچ مہینوں کا سفر ہے

گل رو چمنِ دہر سے جانے کو چلے ہیں
گھر چھوڑ کے جنگل کے بسانے کو چلے ہیں

وہ لُو وہ تپش اور وہ گرمی کا مہینہ | سردی میں ہو گھر ذکر تو آجائے پسینہ
دشوار ہے اس دھوپ میں معصوموں کا جینا | ویرانہ ہے بستی میں اجڑتا ہے مدینہ

حضرت بھی گھلے جاتے ہیں تشویش سفر سے
ہیں ساتھ وہ بچے کہ جو نکلے نہیں گھر سے

راوی بیان کرتا ہے کہ جب آپ کے امام مظلوم نے یزید پلید کے مظالم سے مجبور ہو کر ارادہ پختہ کر لیا اپنے جد امجد کے وطن مدینہ منورہ کو چھوڑ دینے کا تو آپ دولتسرائے میں اس درجہ غمگین و ملول تشریف لائے کہ آثار حزن و ملال چہرۂ اقدس سے عیاں بلکہ نمایاں تھے۔ جناب زینبؑ کی نظر جو پڑی اپنے شہید بھائی پر تو بے تاب اور بے قرار ہو کر کہا بھائی جان بہن قربان ہو جائے آپ پر آج آپ کو اس قدر مغموم دیکھتی ہوں کہ کلیجہ میرا منہ کو آیا جاتا ہے۔ بھیا آپ کو قسم دیتی ہوں خاتونِ جنت کی روحِ مطہر کی کہ آپ باعث ملال خاطر اپنا مجھ سے بے کم و کاست بیان فرمائیں

امام مظلوم نے ایک آہ سرد بھری چشمہائے مبارک سے اشک خونی رواں ہوئے اور رو کر یوں گویا ہوئے کہ اے میری خواہر معصوم اور میری والدہ ماجدہ کی حقیقی تصویر ؎

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں
وہ دوست ہے یہ دوست مروت نہیں جس میں
وہ گل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ شہد ہے یہ شہد حلاوت نہیں جس میں

بے درد و الم شام غریباں نہیں گذری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گذری

گودی ہے کبھی ماں کی کبھی قبر کی آغوش
سرگرم سخن ہے کبھی انساں کبھی خاموش
گل پیرہن اکثر نظر آتے ہیں کفن پوش
گہ تخت ہے اور گاہ جنازہ بسر دوش

اک طور پہ دیکھا نہ جواں کو نہ مسن کو
شب کو تو چھپر کھٹ میں ہیں تابوت میں دن کو

شادی ہو کہ اندوہ ہو آرام ہو یا جور
ماتم کی کبھی فصل ہے عشرت کا کبھی دور
دنیا میں گذرتی ہے انساں کی بہطور
ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور

کس باغ پہ آسیب جہاں آ نہیں جاتا
گل کونسا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

ہے عالم فانی کی عجب صبح عجب شام
نازوں سے پلے فاطمہ زہرا کے گل اندام
گہ غم کبھی شادی کبھی ایذا کبھی آرام
واحسرت و دردا کہ وہ آغاز یہ انجام

چھٹتا ہے وطن کوچ کو تیار ہے شبیر
دشمن ہے جہاں بیکس و لاچار ہے شبیر

جسوقت دکھیاری بہن نے اپنے بھائی سے یہ حسرتناک کلمات سنے تو بیتاب اور بے قرار ہو گئیں تاب ضبط نہ رہی دوڑ کر اپنے ماں جائے کے گلے میں باہیں ڈال کر لپٹ گئیں اور اس قدر روئیں کہ ہچکی بندھ گئی۔ بھائی نے صبر امامت سے اپنے کو سنبھالا اور بہن کو تسلی و دلاسا دینے لگے۔ ہرچند کہ امام مظلومؑ ڈھارس بندھاتے تھے اپنی مغموم بہن کی۔ لیکن حالت ان کی روتے روتے غیر ہوئی جاتی تھی۔ کسی صورت قرار ان معظمہ کو نہ آتا تھا۔ ہائے ہائے مومنین آپ کی مخدومہ اپنے بھائی سے رو رو کر فرماتی تھیں۔ ؎

اب دیکھئے تقدیر ہمیں کیا ہے دکھاتی
فاقے بھی اگر ہوتے تو غم اس کا نہ کھاتی
بھیا تمہیں پر دیکھ کے شق ہوتی ہے چھاتی
بن کہتے مجھے بات کوئی بن نہیں آتی
ظاہر میں تو مابین لحد سوتی ہیں اماں
میں خواب میں جب دیکھتی ہوں روتی ہیں اماں

ہے روح پہ اماں کی قلق کرتی ہیں زاری
سر پیٹتی ہیں میں نے انھیں دیکھا کئی باری
روداد بیاں کر گئی ہیں مجھ سے وہ ساری
فرماتی تھیں بھائی سے خبردار میں واری
غمخوار ہے تو اور خدا حافظ جاں ہے
ہے باپ نہ سر پر مرے بچے کے نہ ماں ہے

یاد آتی ہے ہر دم مجھے اماں کی وصیت
کچھ جان کی تھی فکر نہ ان کو دم رحلت
آہستہ یہ فرماتی تھیں باصد غم و حسرت
شبیر سدھارے جو سوئے وادیٔ غربت
اس دن مری تربت سے بھی منہ موڑیو زینب
پر بھائی کو تنہا نہ کبھی چھوڑیو زینب

کیونکر بھلا اماں کی وصیت کو بھلاؤں
خود سوچئے ہمراہ نہ گر آپ کے جاؤں
پھر حشر میں کیا منہ بھلا اماں کو دکھاؤں
فرقت میں یہاں بھائی کی میں خاک اڑاؤں
جاتے ہیں اگر آپ تو ہوں ساتھ میں دم کے
سائے کی طرح ساتھ ہوں میں شاہ امم کے

حضرات! جب امام مظلوم نے اپنی بہن سے یہ درد انگیز باتیں سنیں تاب ضبط باقی نہ رہی شدید رقت حضرت پر طاری ہوئی۔ یہاں تک کہ ریش مبارک آن جناب کی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ بہن اور بھائی کی گفتگو سنکر تمام بی بیاں بھی بے تاب و بے قرار ہو گئیں۔ تمام گھر میں ایک کہرام عظیم برپا ہو گیا۔

ادھر تو دولت کدہ سید الشہداء میں کہرام مچا ہوا تھا۔ ادھر آپ کی روانگی کی خبر تمام مدینہ میں آن کی آن میں پھیل گئی اور یہ معلوم کر کے کہ حضرت اپنے ہمراہ تمام کنبے کو مع ننھے ننھے بچوں کے لئے جاتے ہیں۔ واحسرتا! وا محمدا کی صدائیں بلند ہوئیں محلہ بنی ہاشم میں ایک حشر بپا ہو گیا۔ اور دولتسرائے امام عالی مقام کی طرف

مستورات روتی پیٹتی بے تابانہ دوڑیں۔ فرزند پیمبر کی ڈیوڑھی پہ بے شمار خلقت جمع ہو گئی۔ مومنین گھروں میں مستورات روتے روتے غش ہوئی جاتی تھیں اور باہر مرد دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ خانۂ جناب سیدۂ عالم میں ایک قیامت برپا تھی۔ مدینہ کے تمام بازار بند ہو گئے۔ ہر گھر سے رونے پیٹنے کی آوازیں بلند تھیں۔ س

جانے کی خبر سنکے کئے بند ہیں بازار
خاک اڑتی ہے ویرانیٔ یثرب کے ہیں آثار
پھیلا غم اندوہ ہے کہ روتے ہیں دکاندار
ہر کوچہ میں ہے شور کہ ہے ہے شہ ابرار
اب یاں کوئی والی نہ رہا آہ ہمارا
جاتا ہے مدینہ سے شہنشاہ ہمارا

عوراتِ محلہ چلی آتی ہیں بصد غم
پرسہ کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم
کہتی ہیں یہ دن رحلتِ زہرا سے نہیں کم
فرش اٹھتا ہے کیا بچھتی ہے گویا صفِ ماتم
اک شور بپا ہے کہ جدا ہوتی ہیں زینب
ہر اک کے گلے ملتی ہیں اور روتی ہیں زینب

رو رو کے بیباں یہی سب کرتی ہیں تقریر
سمجھاتی نہیں بھائی کو کیوں شاہ کی ہمشیر
اس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبیر
مسلم کا خط آئے تو کریں کوچ کی تدبیر
للہ ابھی قبرِ پیمبر کو نہ چھوڑیں
گھر فاطمہ زہرا کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑیں

اجڑے گا مدینہ جو یہ گھر ہوئے گا خالی
کیا جانئے پھر آئیں نہ آئیں شہِ عالی
بربادیٔ یثرب کی بنا چرخ نے ڈالی
حضرت کے سوا کون ہے ہم لوگوں کا والی
زہرا ہیں نہ حیدر نہ پیمبر نہ حسن ہیں
ان سب کی جگہ ایک یہی شاہِ زمن ہیں

ان بی بیوں سے کہتی تھی یہ شاہ کی ہمشیر
اس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر
بہنوں ہمیں یثرب سے لئے جاتی ہے تقدیر
ہر طرح سے مجبور ہوئے حضرت شبیر
بھائی مرے اب دشت کو آباد کریں گے
اے بی بیو سب مرد انھیں یاد کریں گے

عزادارو! آپ کے امام مظلوم سفر کا سامان درست کر کے اپنے نانا محمد مصطفےٰ کی قبر پہ تشریف لائے اور رو کر فرمایا اے بابا جان آپ کا نازوں کا پالا فرزند رخصت کے لئے آیا ہے۔ اس کا آخری سلام قبول فرمائیے۔ نانا جان اپنے اس لخت جگر کو جسے کبھی آپ اپنے دوش مبارک پر سوار کرتے تھے اور کبھی کمر پہ۔ آج اسے ایک بار اور اپنے سینے سے لگا لیجئے۔ آپ کا حسینؑ اس وعدہ کو پورا کرنے جاتا ہے جو اس نے طفلی میں تتلائی زبان میں آپ سے کیا تھا بابا جان درگاہ رب العزت میں اپنے فرزند کے لئے دعا فرمائیں کہ وہ آخرت تک ثابت قدم رہے۔ بابا ایسا نہ ہو کہ قدم اس وقت ڈگمگا جائیں جب دشت کربلا میں عباسؑ کے شانے قلم ہو جائیں۔ علی اکبر ظلم کی برچھی سینے پر کھا کر بابا کو پکارے قاسم مظلوم اپنے خون میں لوٹتا نظر آئے۔ بششماہے علی اصغر کی پیاس میرے ہاتھوں پر حرملہ کے تیر سے بجھے۔ بی بیاں در خیمہ پہ بال کھولے گریباں چاک بلک رہی ہوں اور بچوں کی تین دن کی پیاس سے بے تاب ہو کر العطش العطش کی صدائیں کان میں آئیں۔ یہ کہہ کر امام مظلوم بے تحاشا نانا کی قبر سے لپٹ گئے اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ اور تمام قبر مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

تب آئی ندا اے مرے تربت کے مجاور
اے فاقہ کش اے منزل اول کے مسافر
صدقے تری مظلومی کے اے صابر و شاکر
ہے ہے مری امت نے ستایا تجھے آخر

دشمن کو بھی اس طرح اذیت نہیں دیتے
ظالم مجھے مرنے پہ بھی راحت نہیں دیتے

دو چیزوں کو میں چھوڑ کے آیا تھا امانت
ان دونوں کو یوں بھول گئے اہل شقاوت
اک مصحف معبود تھا اور اک مری عترت
عترت کا یہ نقشہ ہوا قرآں کی وہ صورت

الفت کو مروت کو محبت کو بھی بھولے
سب ایک طرف اجر رسالت کو بھی بھولے

افسوس مری قبر سے بیٹے کو چھڑایا
بیٹا کو مری قبر پہ بھی ہائے رلایا
اس گرمی میں دلبند رسالت کو ستایا
بچوں پہ بھی اعدا کو مرے رحم نہ آیا

کس منہ سے شفاعت کے طلبگار وہ ہونگے
کافر سے بھی واللہ گنہگار وہ ہوں گے

اس ذکر پہ رو رو کے شہ سر کو جھکائے
بالین لحد گر کے بہت اشک بہائے
واں سے جو اُٹھے فاطمہ کی قبر پہ آئے
آواز یہ آئی کہ میں صدقے مرے جائے
ہے شور ترے کوچ کا جسد سے وطن میں
دن رات تڑپتی ہے مری جان کفن میں

تربت پہ جو کی میں نے بہت گریہ و زاری
کہتے تھے کہ اے احمدؐ مختار کی پیاری
گھبرا کے علیؑ آئے نجف سے کئی باری
لٹنے کو چلی دشت میں دولت یہ ہماری
گھر لٹتا ہے کچھ فکر نہیں چین آئے گا زہرا
کیا ہم سے نہ رخصت کو حسینؑ آئیگا زہرا

میں نے جو کہا قبر سے کیوں نکلے ہو باہر
فرمایا کہ ماتم میں ہوں اے بنت پیمبر
نے سر پہ عمامہ ہے نہ ہے دوش پہ چادر
مرنے کو پسر جاتا ہے برباد ہوا گھر
ترسیں گے وہ پانی کو جو ناندوں کے پلے ہیں
تلواریں ہیں اور اب مرے بچوں کے گلے ہیں

الغرض حضرات! جناب امام حسینؑ اپنی مادر گرامی کی قبر پہ دیر تک روتے رہے۔ اس کے بعد اپنے برادر معظم جناب امام حسن علیہ السلام کے روضہ اقدس سے رخصت ہوکر اشک خونی بہاتے ہوئے دولتسرا تشریف لائے۔ سواریاں تیار تھیں۔ اسباب سفر بار کیا جا چکا تھا مدینہ کے زن و مرد سروں کو پیٹ رہے تھے۔ اور زار زار رو رہے تھے۔ آہ آہ عزادارو! قیامت کا مرقع تھا۔ جوانانِ مدینہ اکبرؑ و عباسؑ و قاسمؑ سے گلے مل مل کر دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔

بچے عون و محمد کا دامن کھینچے لیتے تھے اور بلک بلک کر کہہ رہے تھے۔ ہمارے شہزادو ہم تمہیں ہرگز نہ جانے دیں گے۔ امام مظلوم کے قدموں سے لپٹے ہوئے سینکڑوں لوگ آنکھیں مل رہے تھے اور رو رو کے کہتے تھے ہمارے آقا و مولا! اب اس اجڑے مدینے میں کیونکر اپنی زندگی بسر کریں گے۔ مستورات بال کھولے اپنے ہاتھ سر و سینوں پر مار مار کر

ایسے بین کر رہی تھیں کہ سننے والوں کے کلیجے شق ہوئے جاتے تھے۔ سلام

القصہ روانہ ہوئے پھر با دل مغموم ... اک اک سے گلے مل چکے جب سید مظلوم
کہتے تھے کہ پھر آنا ہمارا تو ہے معلوم ... اب ہم سے ہمیشہ کیلئے ہوتے ہو محروم

جو ظلم ہو سہنا کبھی فریاد نہ کرنا
اور حد سے سوا ہم کو بھی تم یاد نہ کرنا

چلاتی تھیں رانڈیں کہ چلی شہ کی سواری ... لیگا خبر اب کون مصیبت میں ہماری
آنکھوں سے یتیموں کے دُرِ اشک تھے جاری ... مضطر تھے اپاہج فغاں کرتے تھے زاری

کہتے تھے گدا ہم کو غنی کون کرے گا
محتاجوں کی فاقہ شکنی کون کرے گا

تھا نانکے تلک شہر کے اک شور قیامت ... سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت
رو رو کے وہ کہتا تھا جسے کرتے تھے رخصت ... پائیں گے کہاں آپکو اب شاہ ولایت

آخر کو بچھڑ کر کف افسوس ملیں گے
وہ جا بہ جا قدم اور ہم ہمراہ چلیں گے

قسمیں انھیں ادے کے کہا شہ نے کہ جاؤ ... روتے ہیں کئی دن سے شتاب اور رلاؤ
اللہ کو سونپا تمہیں آنسو نہ بہاؤ ... پھر لنے کے نہیں ہم سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ

اس بیکس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
لوگو مری صغرا کی خبر پوچھتے رہنا

بولے شہ ابرار خدا کو تمہیں سونپا ... اے مونس و غمخوار خدا کو تمہیں سونپا
اے میرے مددگار خدا کو تمہیں سونپا ... اے نانا کے انصار خدا کو تمہیں سونپا

جنگل کو محرم میں جب آباد کریں گے
اُس وقت تلک تم کو بہت یاد کریں گے

غل تھا شہ ابرار خدا حافظ و ناصر ... رانڈوں کے مددگار خدا حافظ و ناصر
اے خلق کے سردار خدا حافظ و ناصر ... محتاجوں کے غمخوار خدا حافظ و ناصر

دکھ پاؤ گے غربت کے الم کس سے کہیں گے

مشکل کوئی اب ہوگی تو ہم کس سے کہیں گے

مجلس چہارم

مسلم کے سفر پر جانے سے نہ تھا کوئی بھی آگاہ
بیکس و تنہا گئے بس بے جرم مارے گئے

حضرت امام حسینؑ کا مکہ معظمہ میں تشریف فرما ہونا۔ کوفیوں کے متعدد خطوط برائے بیعت آنا جناب مسلم کو کوفہ روانہ کرنا اور انکی شہادت

بعد شہادتِ جناب امام حسن علیہ السلام امام بے کس و مظلوم کو یزید ملعون نے اس قدر بیعت کے لئے فاجر و مجبور کیا کہ انھیں اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ آپ مع اپنے تمام کنبہ کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچکر ابھی قیام ہی کیا تھا کہ دغاباز کوفیوں کے خطوط سید الشہداء کی خدمت میں آنا شروع ہو گئے۔ جن میں تحریر تھا کہ اے امام فرش مقام ہم پر آپ نے ایک فاسق و فاجر دشمن اسلام کو حاکم چھوڑ رکھا ہے۔ جس نے ظلم و جور سے ہمیں عاجز و پریشان کر دیا اور مذہب کی ہیئت بدل دی۔ شرع محمدی مٹی جا رہی ہے اور دین اسلام کی بنیادیں ہلی جا رہی ہیں۔ اے ہمارے سردار اور اے خلیفۂ برحق آپ جلد تشریف لائیں کہ آپ کے استقبال کے لئے ہم نہایت بے چینی اور اضطراب سے منتظر ہیں۔ اگر آپ تشریف نہ لائیں گے تو روز حشر ہم آپ کے نانا محمد مصطفےٰ سے کہدیں گے کہ آپ نے ہمیں نور ہدایت سے محروم فرمایا۔

سید ابن طاؤسؒ جو کہ راویان معتبر میں سے ہیں۔ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں چھ سو عریضے پیش ہوئے اور چند روز میں بارہ ہزار سے زیادہ عریضے گزرانے گئے۔ مقتل ابی مخنف میں لکھا ہے کہ ایک لاکھ پچیس ہزار خطوط اس سلسلہ میں آنجناب کے پاس آئے۔ آخر حضرت امام حسین علیہ السلام مجبور ہو گئے۔ حجت تمام کرنے پر گو علم امامت کی بنا پر آپ اچھی طرح واقف تھے کہ یہ طفلی کے محضرنامے کے سلسلہ میں پہلی قربانی پیش کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ حضرت نے ایک خط اہل کوفہ کو مخاطب کر کے تحریر فرمایا

جس میں لکھا تھا کہ اے اہل کوفہ تمہاری بے وفائی اور دغابازی تمام دیار میں ضرب المثل ہے۔ اے کوفیو! میں تمہارے شہر میں تمہارے ہی ہاتھوں یتیم ہوا ہوں اور اب بھی تم سے مجھے قطعی وفا کی امید نہیں۔ لیکن میں آخری حجت کو تم پر تمام کرتا ہوں۔ اور اپنے برادر مکرم مسلمؑ بن عقیل کو اپنی نیابت میں یہ خط دے کر قربان گاہ کی طرف روانہ کرتا ہوں۔ اگر تم نے اپنے قول و قرار کے مطابق مجھ سے بیعت ان کے ہاتھ پر کر لی تو میں بھی آتا ہوں۔ عرض۔ س

خط دے کے یہ مسلم سے بیاں کرنے لگے شاہ — تو کعبہ بھی اب چھوڑ و مدینہ تو چھٹا آہ
امت کہیں گمراہ نہ ہو کوفہ کی لو راہ — احوال بد و نیک سے کیجو مجھے آگاہ
تم صبر ہی کرنا جو ہو بیداد و ستم بھی
تم سوئے بہشت آگے چلو آتے ہیں ہم بھی

القصہ چلا ایلچیٔ نائب حیدر — ہمراہ ہوئے ان کے دو فرزند خوش اختر
سعدین سے روشن تھا قران مہ انور — مرنے کو دلیرانہ چلا غازی و صفدر
جاں کی نہ ذرا فکر تھی بس حق پہ نظر تھی
مر جانے کی گودیں کے مجاہد کو خبر تھی

کوفہ میں وکیل شہ جن و بشر آیا — اک شور ہوا مسلمؑ عالی گہر آیا
بیعت کی نیابت کو شہ بحر و بر آیا — پھر نخل میں اسلام کے اب دم ثمر آیا
اب چشمۂ ارماں پہ پہنچ جائیں گے پیاسے
گھر بیٹھے ہمیں خضر ملے فضل خدا سے

ظاہر میں تھے مشتاق وہ سب کہتے تھے رو رو — اب قبلہ و کعبہ کا ہے کب قصد ادھر کو
اللہ کرے ماہ محرم تو یہیں ہو — فرماتے تھے مسلمؑ اب انھیں آیا ہی سمجھو
یاں آ گئے نہ پھر قصد وطن شاہ کریں گے
بن بیاہے جوانوں کا یہیں بیاہ کریں گے

ایسے ہی وفادار تمہیں جانتے ہیں شاہ — جو فاطمہؑ کی بیٹیوں کو لاتے ہیں ہمراہ
قاسمؑ بھی اور اکبرؑ بھی بنیں گے یہیں نوشاہ — دو تین مہینے کا ہے اصغرؑ ابھی واللہ
تعلیم یہیں ہوگی یہیں دودھ بڑھے گا

چلائی اجل کوئی نہ پروان چڑھے گا

یوں راوی دلِ سوز لسماں اب کرتے ہیں آگاہ
پچیس ہزار آئے تھے بیعت میں کہ ناگاہ
نازل ہوا واں مثل بلا ابن زیاد آہ
اور فخر سے مسجد میں پڑھا خطبہ جانکاہ
ہاں سب ہوں مشرف مری بیعت کے شرف سے
حاکم ہوا ہوں شام کے حاکم کی طرف سے

مسلم کو جگہ دے گا اگر کوئی گنہ گار
زندہ ابھی چنواؤں گا اس کو تہ دیوار
اور بیعت شبیر پہ ہوگا جسے اقرار
فوراً اسے بلواکے میں کھینچوں گا سر دار
مسلم پہ جفادہ کروں حاکم کی مدد سے
روئی ہو کوئی یاں فاطمہ آجائیں لحد سے

حضرات جب کوفیان بے دین نے یہ تہدید و تنبیہ کے فقرے ابن زیاد بدنہاد کی زبانی سنے تو خوف سے کانپ اٹھے اور رفتہ رفتہ بیعت سے حضرت مسلم کی بیعت میں دشمن دین کی آنے لگے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ شام تک پچیس ہزار میں سے کوئی بھی اپنے عہد و پیمان پر نہ رہا۔ بلکہ انعام و اکرام کی طمع اس قدر ان بدعہدوں پر غالب ہوئی کہ نائب امام برحق کو ہر قسم کی ایذا دینے کے وعدے ابن مرجانہ ملعون سے بہ قسم کرنے لگے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ ہانیؒ نے جو اپنے قبیلہ کا سردار تھا جب یہ دلدوز منظر دیکھا کہ سب غدار کوفیوں نے مسلم غریب کو پردیس میں تنہا کر کے و تنہا چھوڑ دیا تو وہ دیندار اس مسافر کی بیکسی پہ زار زار رونے لگا۔ اور حضرت مسلمؑ کے قدموں پہ گر کر کہا اے آقا آپ کی مظلومیت پر میرا دل روتا ہے۔ آپ خدارا میرے ہمراہ تشریف لے چلیں۔ اے نائب امام برحق میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ جب تک اس کے دم میں دم ہے اور سانس اس کا سینہ میں چل رہا ہے اس وقت تک کیا مجال ہے کسی کی جو آپ کو آنکھ اٹھا کر دیکھے۔ یہ کلام سنکر اس دیندار محب اہلبیت کا حضرت نے اسے اپنے گلے لگا لیا اور دونوں ہاتھ اپنے بلند کر کے اس کے لئے درگاہ رب العزت میں دعا فرمانے لگے۔ اے پالنے والے تو درجے دینی اس کے بلند فرمائیو اور روز حشر اسے دوستداران اہل بیت میں شمار کیجیو۔ بعد ختم کرنے

دعا کے آپ خانۂ ہانی میں تشریف لے گئے۔
مگر آہ آہ اے مومنین!! کسی دشمن دین نے ابن زیاد ملعون سے خبر پوشیدہ ہونے حضرت مسلم کی خانہ ہانی میں جا سنائی۔ اس بدبخت نے فوراً ہانی کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ ہر چند کہ ہانی نے عذر اپنی علالت کا کیا۔ لیکن پسر مرجانہ نے قبول نہ کیا۔ آخر مجبور ہو کر جناب ہانی کو دربار میں اس سگِ دنیا کے جانا پڑا جیسے ہی یہ دربار میں پہنچے۔ ابن زیاد نے برہم ہو کر کہا کہ اے ہانی تو اپنے قبیلہ کا سردار ہے۔ میں تیرا احترام کرتا ہوں۔ ورنہ تجھے آہنی زنجیروں میں اسیر کر کے بلواتا۔ تو نے آخر حاکم وقت اور امام برحق یزید بن معاویہ کے خلاف بغاوت کی کیوں ٹھانی ہے اور ایک غدار کو اپنے گھر میں پناہ دینے کی کیسے جراءت کی۔ اگر تجھے اپنی جان عزیز ہے تو ابھی مسلم کو میرے حوالے کر دے۔ میں تجھے خلعت و انعام سے مالا مال کر دوں گا۔ تو مومنین!

وہ کہتا تھا مسلم کو ابھی تجھ سے میں لوں گا
چلاتا تھا حاکم کہ تجھے قتل کروں گا
یہ کہتا تھا سر دوں گا پہ مسلم کو نہ دوں گا
ہانی کی صدا یہ تھی کہ راضی ہوں مروں گا

بے شرم! مسافر پہ ترس کھانا ہے لازم
مرجانہ کے بیٹے تجھے مرجانا ہے لازم

گو میری زباں بھی تو نکالے گا دہاں سے
گو تیلیاں آنکھوں کی نکالے گا سناں سے
واللہ نہ مسلم کا پتہ دوں گا زباں سے
پر آنکھ نہ پھیروں گا میں اس فخر جہاں سے

مسلم کا نشاں کافرو ظالم کو بتا دوں
گر خاک بھی ہو جاؤں تو مسلم کو چھپا دوں

پس حضرات! یہ کلام حق کیش سنکر ابن زیاد بدنہاد کو تاب ضبط نہ رہی۔ غصہ سے وہ مردود کانپنے لگا اور حکم دیا جلادوں کو کہ جناب ہانی کو آہنی زنجیروں سے دست بستہ کر کے لیجائیں۔ اور منادی کرا کے تمام اہل کوفہ کو ایک میدان میں جمع کر کے اس غدار کو دار پر کھینچیں۔ بعد اس کے دونوں پاؤں میں رسن باندھ کر کوفہ کی تمام

گلیوں اور بازاروں میں لاش کو تشہیر کریں تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور یہ اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔ مومنین! یہ سنکر تمام اہل دربار کانپ اٹھے اور ہر چند اس محب اہلبیت کو سمجھایا کہ جناب مسلم کو حاکم کے حوالے کر دے۔ مگر ہماری جان فدا ہو جائے اس دیندار پر کہ اس نے ان سب سگہائے دنیائے دوں کو جھڑک دیا۔ اور فرمایا کہ اے دغا بازو موت تم جیسے ظالموں کے لئے بھیانک اور خوفناک ہوگی۔ مگر ایک مومن حق پرست کے لئے وہ شہد سے زائد شیریں ہے۔ ارے دنیا کے کتو! ذرا تو شرم کرو۔ روز محشر رسول خدا کو کیونکر منھ اپنا دکھاؤ گے۔

القصہ حضرات! اس عاشق خاندان رسالت کو تمام باشندگان کوفہ کے روبرو دار پر کھینچا گیا۔ اور نعش کو اس جناب کی رسن بستہ کر کے تشہیر کیا گیا۔ ہائے ہائے مومنین! جسوقت ہانی کے شہید ہونے کی خبر جناب مسلمؑ کو ہوئی تو حضرت بیتاب و بے قرار ہو کر زار زار روتے ہوئے باہر تشریف لے گئے اور اپنی شہادت کا یقین ہو گیا۔ اس وقت ان جناب کی کس مپرسی کی حالت پر در و دیوار اور آسمان و زمین رو رہے تھے۔ آہ آہ! پردیس میں یکہ و تنہا مسافر کوچہ و بازار سے ناواقف ادھر ادھر پھر رہا تھا اور کہیں پناہ کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اور تمام شہر اس مظلوم کے خون کا پیاسا تھا۔ سہ

وہ شہر پہ آفت وہ تلاطم وہ شب تار / جلاد کمیں گاہ میں دشمن در و دیوار
برگشتہ زمین و فلک و کوچہ و بازار / اور مسلم مظلوم فقط بیکس و ناچار
بیٹھے کہیں تھک کر تو اجل سر پہ کھڑی تھی
اک سر پہ دو عالم کی بلا ٹوٹ پڑی تھی

نے کوچہ سے آگاہ نہ رستہ سے خبردار / اور پوچھیں تو کس سے کہ ہر اک کوفی تھا غدار
فاقوں سے تو لغزش تھی قدم کو دم رفتار / گھبرا کے وہ کہتے تھے کہ یا حیدر کرار
ہر کوچہ میں غل تھا کوئی غیر آنے نہ پائے
ہاں لیجیو مسلم کو کہیں جانے نہ پائے

وارد ہوئے ناگاہ در طوعہ پہ سشندر / وہ مومنہ تسبیح بکف تکتی تھی در پر

مسلم نے کہا خشک زباں اپنی دکھا کر   نذرِ پسرِ فاطمہ اِک پانی کا ساغر

احسان کر اللہ و پیمبر کا تصدق
پانی مجھے دے ساقیِ کوثر کا تصدق

پانی وہ پلا کر ہوئی اس طرح سے گویا   بس پی چکا پانی مرے دروازے سے اٹھ جا
تو دیکھتا ہے شہر میں اک فتنہ ہے برپا   جا گھر میں تردد ترے ناموس کو ہوگا

اس وقت میں ہر ایک سے کنارا ہی بھلا ہے
تو نے بھی سنا ہوگا جو بانیِ جفا ہے

اٹھ جانے کو طوعہ نے کہا جب کہ کئی بار   کعبہ کی طرف مڑ کے یہ کرنے لگے گفتار
یا سبطِ نبی ہم ہوئے ہیں بیکس و ناچار   در تک پہ بھی رہنے کا نہیں کوئی روادار

اس رات کی رات اور یہ سب ظلم اٹھا لیں
نانا سے کہو کل ہمیں جنت میں بلا لیں

کلمات یہ سن کر وہ پکاری یہ بصد آہ   شبیر ترا کون ہے بتلا دے تو للہ
رو کر کہا مسلم نے ہے وہ میرا شہنشاہ   وہ بولی کہ کیا آیا تھا مسلمؑ کے تو ہمراہ

شرما کے کہا وہ وطن آوارہ میں ہی ہوں
مسلم جسے کہتے ہیں وہ بیچارہ میں ہی ہوں

تب لیکے بلائیں وہ پکاری یہ خوش ایماں   تو نائبِ شبیر ہے واری ترے قرباں
اے موت کے مہماں تو مرے گھر میں ہے مہماں   آوازِ نبیؐ آئی خدا پر ہے یہ احساں

مسلم کو تو حجرہ دیا اس شمعِ وفا نے
بخشا اسے فردوس میں گلزار خدا نے

مگر افسوس عزادارو کہ اس بیکس مسافر کو وہاں بھی امان نہ ملی۔ راوی بیان کرتا ہے کہ وہ مومنہ بار بار حجرے میں آتی تھی اور حضرت پہ تصدق ہوتی تھی۔ اس معظمہ کے بدبخت پسر نے جو آکر دیکھا کہ اس کی ماں بار بار حجرے میں جاتی آتی ہے تو اس نے سبب اس کا دریافت کیا۔ مگر اس بی بی نے کہا کہ مجھے تجھ پہ اعتبار نہیں کہ تو میرے راز کو مخفی رکھے گا۔ اس ملعون نے سوگند خدا و رسول کی کھا کر

یقین دلایا کہ میں تیرا راز کسی سے بیان نہ کروں گا۔ آخر طوعہ نے مجبور ہو کر امان
دینا اپنے گھر میں حضرت مسلم کا بیان کر دیا۔ اس شقی ازلی نے علی الصبح ابن
زیاد بدنہاد کو اطلاع بہ طمع خلعت و انعام دیدی۔ اس نے ایک ہزار سوار
اور پانچ سو پیادے فی الفور برائے گرفتاری جناب مسلم روانہ کئے۔

مومنین! جب اس ایلچی سید الشہداء نے آواز گھوڑوں کی ٹاپوں کی سنی
تو جانماز لپیٹ کر اپنی تلوار برہنہ کی۔ اور ہرچند کہ طوعہ روکتی رہی مگر آنجناب
نے اس مومنہ کو دعائے خیر دے کر فرمایا کہ کنیز معظمہ میں تیری الفت کا دل سے
ممنون ہوں۔ اب مجھے خوشی سے اجازت دے کہ میں اپنے جد امجد سے
ملاقات کا بے حد مشتاق ہوں اور وہ بیتابانہ در جنت پر میرے منتظر ہیں
یہ کہکر آپ باہر تشریف لائے اور صدہا بے دین کوفیوں کو واصل جہنم کیا
ان بے حیاؤں نے کمک طلب کی اور سب نے یکبارگی اس شیر خدا پر حملہ
کیا۔ مگر پھر بھی وہ دلاور مغلوب نہ ہوا۔ آخر دھوکے سے اُن کو ایک گڑھے
میں گرا دیا اور گرفتار کرکے دربار میں پسر مرجانہ ملعون کے لائے۔ آپ اس
وقت وفور پیاس سے بیتاب تھے اور فرماتے تھے۔ اے قوم جفاکار مجھے تھوڑا
سا پانی پلا دو کہ دم میرا تشنگی سے لبوں پر آ گیا ہے۔

مگر آہ آہ!! مومنین ایک شقی نے کمین گاہ سے ایسی تلوار لب ہائے مبارک
پر ماری تھی کہ برابر خون دہن مبارک سے جاری تھا۔ جس وقت حضرت
نے جام آب سے منہ لگایا تو پانی خون سے اُن کے سرخ ہو گیا۔ آپ نے
حسرت سے آسمان کی طرف نگاہ کی اور جام آب رکھ کر سر جھکا لیا۔ اس
بے بسی کو حضرت کی دیکھ کر تمام اشقیا رونے لگے۔ لیکن

عمران کے فرزند سے حاکم ہوا گویا	اب زیر نہ کر بام پہ مسلم کو تو لے جا
لٹکا دے در کوفہ پہ سر کاٹ کے اسکا	اور بام سے بالائے زمیں پھینک دے لاشا

تم باندھ کے پھر لاش کے پاؤں میں رسن کو
تشہیر کرو مسلم آوارہ وطن کو

جلاد نے تب بازوئے مسلم کو لیا تھام
ساتھ اُس کے غریبی سے چلے مسلم ناکام
ہر زینے پہ معراج شہادت لی ہر گام
اور بام پہ آکر ہوا خورشید لب بام
چپ بیٹھے تھے مسلم وہاں صمصام کے نیچے
تھی خلق تماشے کو کھڑی بام کے نیچے

تب یاد میں شبیر کی مسلم یہ پکارے
کعبہ ہیں ہو یا راہ میں صدقے میں تمہارے
اب کتنا ہے سر لوگ تماشائی ہیں سارے
اب تم بھی تو دیکھو مری حسرت کے نظارے
اعجاز سے پردہ مری آنکھوں سے اٹھا دو
یا سبط نبی آخری دیدار دکھا دو

کعبہ سے اسیوقت روانہ ہوئے تھے شاہ
مسلم تو لب گور تھے شبیر سر راہ
جبریل نے کوفہ کی زمیں سے کہا ناگاہ
ہاں حکم خدا ہے تو بلند اتنی ہو واللہ
مسلم شہ مظلوم کی تصویر کو دیکھیں
شبیر انھیں دیکھیں وہ شبیر کو دیکھیں

کوفے کی طرف شہ نے جو چہرے کو پھرایا
سیدانیوں نے محملوں سے پردہ اُٹھایا
جانکاہ وہ منظر انھیں قدرت نے دکھایا
مسلم انھیں شمشیر کے نیچے نظر آیا
باہم تھی نظاروں میں صدا ہائے اخی کی
یاں فاطمہ روتی تھیں وہاں روح علی کی

چہروں پہ طمانچے حرم شہ نے لگائے
ملنے کے لئے ہاتھ رقیہ نے بڑھائے
چلائی کہ لو اماں وہ بابا نظر آئے
وہ وقت نہ اللہ کسی کو بھی دکھائے
سر پیٹ کے وہ بولی کہ جلاد کھڑا ہے
تلوار لئے کیوں ستم ایجاد کھڑا ہے

کیا روتے ہو لوگو مرے بابا کو بچا دو
لے جاکے رقیہ پہ پدر کو کوئی وادو
زینب پھپھی اشتر سے مجھے نیچے گرادو
یا حضرت عباس حمایت کو سدھارو
بھیا علی اکبر یہ بہن تیری بلا لے
بابا کو مرے تیغ کے نیچے سے ہٹا لے

یہ ذکر تھا جو کاٹ لیا ہائے سر ان کا
موجود تھے حاکم کی طرف سے وہاں اعدا

کس منہ سے بیاں ہو کہ جو دی لاش کو ایذا … پاؤں کو جفا کاروں نے اک رسّی میں باندھا

پہلے اسے دربارِ ستمگار میں لائے
پھر کھینچتے ہر کوچہ و بازار میں لائے

اس دم حرمِ پاک میں اک حشر بپا تھا … اور سید مظلوم کھڑا کانپ رہا تھا
وہ صدمہ تھا جانکاہ کہ دل تھام لیا تھا … اور زوجۂ مسلمؑ کو نہ کچھ ہوش ذرا تھا

تھا خاک اڑاتا کوئی اور روتا تھا کوئی
سر پیٹتا تھا کوئی تو غش ہوتا تھا کوئی

مجلس پنجم

واللہ عجب مسلم بیکس کے پسر تھے ۔ لاریب کہ وہ دونوں محمدؐ کے جگر تھے

شہادت فرزندان جناب مسلم در کوفہ

حضرات! دنیا کی کسی قوم اور ملت میں عورتوں بچوں پر مظالم جائز نہیں ۔ خاصکر یتیم بچوں پر ۔ دین اسلام میں تو پروردگار عالم کی طرف سے قرآن پاک میں اس قدر شدید احکامات نازل ہوئے ہیں کہ جس کی نظیر دیگر مذاہب کی کتب میں نہیں ملتی ۔ مگر افسوس ان کلمہ پڑھنے والے مسلمان دعویداروں پر جنھوں نے رحمۃ اللعالمین کے جگر پاروں کو اس بے دردی سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ۔ کہ قیامت تک ایسی بے رحمی اور سنگدلی کی مثال دنیا کے پردے پر نہ ملے گی ۔

ہائے آسمان تو کیوں نہ پھٹ پڑا ۔ زمین کیوں نہ شگافتہ ہو گئی ۔ اسوقت جبکہ اُس یتیموں کے والی کے ننھے یتیم بچوں کو ٹکڑے کر دیا ۔ جس نے اپنی تمام

عمر انہیں کی پرورش اور خدمت میں گزار دی۔ منقول ہے کہ ایک دن جناب علیؑ مرتضیٰ کچھ جو اپنے بچوں کے لئے لے کر دولت سرا کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں کچھ بچوں کے بلک بلک کر رونے دھونے اور مچلنے کی آوازیں حضرت نے سنیں۔ آپ اس طرف تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک شکستہ مکان میں ایک عورت دیگچی میں پانی اُبال رہی ہے اور چند بچے اس کے گرد رونے اور مچلتے ہیں۔ وہ انھیں ہر چند دلاسا دیتی ہے مگر وہ بچے کسی صورت نہیں بہلتے۔ آپ یہ دیکھکر بے تاب ہو گئے اور پوچھا۔ اے معظمہ! سبب ان بچوں کے رونے کا کیا ہے۔ اس عورت نے جواب دیا۔ کہ اے بندۂ خدا میں بیوہ ہوں۔ اور یہ میرے یتیم بچے دو وقت سے بھوکے ہیں۔ اب تک تو میں ان کو بہلاتی رہی لیکن اب یہ بھوک سے ایسے بیتاب ہو گئے ہیں کہ ہر چند میں خالی پانی ابال کر کہتی ہوں کہ یہ کھانا تمہارے لئے تیار ہو رہا ہے مگر ان بچوں کو کسی طرح قرار نہیں آتا۔ حضرت یہ سنکر زار زار رونے لگے اور وہ تمام جو اس بی بی کے حوالے کئے اور فرمایا کہ اے مومنہ تو اپنے بچوں کے لئے کھانا تیار کر میں انھیں بہلاتا ہوں یہ کہکر آپ نے بچوں کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیا۔ یہانتک کہ کھانا تیار ہو گیا۔ پھر آپ نے خود اپنے دست مبارک سے ان یتیموں کے سر پر دست شفقت پھیر کر کھلانا شروع کیا۔ یہانتک کہ وہ سب بچے خوب شکم سیر ہو گئے۔ پھر اصرار فرما کر اس بی بی کو کھانا کھلوایا۔ بعد اس کے آپ تشریف لے چلے۔ اس بیوہ نے دامن حضرت کا تھام لیا اور کہا کہ آپ مجھے یہ بتا کر تشریف لے جائیں کہ آپ کون ہیں؟ اور آپ کا نام کیا ہے۔ حضرت نے بہ کمال مروت اتنا ارشاد فرمایا کہ مومنہ میں ایک خدا کا بندۂ عاصی ہوں

مومنین! اس روز خانۂ جناب سیدۂ عالم میں آپ کے دونوں شہزادے بھوکے سوئے۔ اللہ اکبر! ایسے یتیم پرور کے بچے مثل گوسفند بھوکے پیاسے ذبح کر دیئے گئے۔

راوی بیان کرتا ہے کہ جب حضرت مسلمؑ کو لعینوں نے شہید کر دیا

اور اس کی خبر اُن کے دونوں معصوم بچوں کو ہوئی جو ہمراہ تھے۔ تو گریبان انھوں نے چاک کر ڈالے۔ ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر مثل ابر نوبہار روتے تھے اور فرماتے تھے۔ ؎

پردیس میں باپ چھٹے دشمن ہے زمانہ　　نے بیٹھنے کی جا ہے نہ رہنے کا ٹھکانہ
پینے کو نہ پانی ہے نہ کھانے کو ہے کھانا　　تقدیر میں غم کھانا ہے اور اشک بہانا

ہم سا بھی جہاں میں کوئی ناشاد نہ ہوگا
پردیس میں یوں بھی کوئی برباد نہ ہوگا

تقدیر نے اماں کی اگر شکل دکھائی　　اور قتل کی بابا کے خبر ان کو سنائی
پوچھیں گی جو سر پیٹ کے اور دیکے دہائی　　بچو کہو والد کی کہاں قبر بنائی

گردن کو جھکائے ہوئے خاموش رہیں گے
تربت بھی تو دیکھی نہیں کیا اُن سے کہیں گے

اک ایک لعین کوفہ میں دشمن ہے ہمارا　　اک دوست تھا باپ سو وہ دنیا سے سدھارا
بیٹھیں کہیں چھپ کر بھی نہیں اتنا سہارا　　غربت میں ہمیں باپ کے مر جانے نے مارا

تقصیر ہی کیا کہ جو منہ موڑ گئے ہو
پردیس میں کس پر ہمیں تم چھوڑ گئے ہو

یہ کہتے تھے اور روتے تھے وہ بے جگر بند میں　　تصویر اجل پھرتی تھی دونوں کی نظر میں
تھا شور منادی کا یہ ہر راہ گذر میں　　بیٹوں کو نہ مسلم کے چھپائے کوئی گھر میں

بتلا دو کسی حجرے میں گر بند ہیں دونوں
حاکم کے گنہ گار کے فرزند ہیں دونوں

کل دونوں نکل بھاگے ہیں وہ قاضی کے گھر سے　　کر دینا گرفتار جو آنکلیں ادھر سے
خورشید سے چہرے ہیں تو ماتھے ہیں قمر سے　　چھوٹے سے عمامے ہیں لپیٹے ہوئے سر سے

دندان دہن گویا کہ موتی کی لڑی ہیں
گوندھی ہوئی زلفیں لب بر دوش پڑی ہیں

ہر ناکے پہ تھا حکم یہ اِن دونوں کی خاطر
اور پھرتے تھے حیران وہ مدینے کے مسافر
دربار میں غل تھا کہ کرو جلد انھیں حاضر
کوئی تھا مددگار نہ تھا حافظ و ناصر

پھرتی تھی اجل ساتھ جدھر جاتے تھے دونوں
پتا بھی کھڑکتا تھا تو ڈر جاتے تھے دونوں

پہنچے نہ تھے ناکے پہ بھی دونوں جگر افگار
چلائے کہ بس آگے قدم رکھیو نہ زنہار
جو دیکھ لیا ان کو ستمگاروں نے اکبار
جاتے ہو کہاں بھاگ کے تم دونوں گنہگار

سنتے ہی اس آواز کے گھبرا گئے دونوں
سر تا بقدم بید سے تھرّا گئے دونوں

کر کے انھیں پا بستہ وہ لائے سر دربار
للکارا انھیں دیکھ کے تب حاکم غدار
خدام نے کی عرض کہ حاضر ہیں گنہگار
دہشت سے لرزنے لگے بچوں کے تن زار

زنداں کے نگہباں سے کہا تیوری چڑھا کر
کر قید انھیں حجرۂ تاریک میں جا کر

القصہ حضرات ان دونوں معصوموں کو ابن زیاد ملعون نے ایک ایسے تنگ و تاریک حجرے میں قید کرا دیا کہ نہ اس میں روشنی آتی تھی اور نہ ہوا۔ معصوموں کا دم گھٹ گھٹ جاتا تھا۔ کبھی وہ شہزادے اپنے باپ کی شہادت بیان کر کے زار زار روتے تھے۔ اور کبھی والدۂ ماجدہ اور بہنوں کو یاد کر کے گریہ وزاری کرتے تھے لیکن صد ہزار افسوس کہ کسی کو اُن کی معصومیت اور مصیبت پر ترس نہ آتا تھا راوی بیان کرتا ہے کہ ایک روز یہ بچے قید کی تاریکی اور تنہائی سے اس قدر گھبرائے کہ چیخیں مار مار کر رونے لگے اور درِ زنداں سے سروں کو ٹکراتے تھے۔ مگر کوئی فریاد ان کی نہ سنتا تھا۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ اور زندان کا نگہبان کچھ آب و طعام لے کر پہنچا۔ یہ بچے بلک بلک کر اپنے بابا کو پکار رہے تھے۔ اور کہتے تھے بابا جان آپ نے تو ہمیں بڑے نازوں سے پالا تھا۔ ہماری ذرا سی تکلیف

آپ سے دیکھی نہ جاتی تھی بے تاب ہو جاتے تھے۔ بابا آخر ہم سے کونسی تقصیر ہوئی کہ ہم اتنے عرصے سے اس حجرۂ تیرہ و تار میں رو رو کر آپ کو پکار رہے ہیں مگر آپ تشریف نہیں لاتے۔ اگر آپ تشریف نہیں لاتے تو اے بابا جان ہمیں اپنے پاس جنت میں بلوا لیجئے کہ اب ہم سے زندان کی اذیتیں نہیں اٹھائی جاتیں۔ تھہ مومنین!

یہ کہتے تھے جو وا ہوا قفل در زنداں
چھوٹے لڑکے نے کھڑے ہو کے کہا تن لرزاں
در پہ لگا آب و غذا ان کو نگہباں
ہم تجھ کو دعا دیتے ہیں اے مرد مسلماں

پینے کو نہ پانی نہ غذا چاہتے ہیں ہم
کچھ حال سنے گر تو کہا چاہتے ہیں ہم

جو تو نے دیا شکر کیا اور وہی کھایا
بھڑکی جو بہت پیاس تو اشکوں سے بجھایا
جی بھر کے اگر پانی نہ پایا تو نہ پایا
شکوہ کا مگر حرف زباں پر نہیں آیا

واقف ہے کہ کھانا کبھی دن بھر نہیں مانگا
سونے کے لئے رات کو بستر نہیں مانگا

گذرا ہے برس پورا ہمیں خاک پہ سوتے
ڈر سے ترے چلا کے نہیں رات کو روتے
پانی نہ ملا اتنا کہ کرتوں کو تو دھوتے
قیدی جیسے اکثر یہ رہا ہم نہیں ہوتے

اب قید کی تکلیف اٹھائی نہیں جاتی
روٹی بھی کبھی روز سے کھائی نہیں جاتی

کچھ رتبۂ محبوب خدا جانتا ہے تو؟
کچھ حیدر و زہرا کو بھی گردانتا ہے تو
اے شخص محمد کو بھی پہچانتا ہے تو
اور پنجتن پاک کو بھی مانتا ہے تو

للہ یقیں کر کہ محمد کے جگر ہیں
واللہ کہ ہم مسلم بے کس کے پسر ہیں

یہ سنتے ہی تھرا گیا وہ مرد خوش اطوار
رو کر کہا اس حال سے واقف نہ تھا زنہار
معصوموں کے قدموں پہ گرا دوڑ کے اکبار
بخشو مجھے میں نے تمہیں گھر کا سمجھا کئی بار

شکوہ مرا اللہ و پیمبر سے نہ کیجو
جنت میں شکایت مری حیدر سے نہ کیجو

حضرات! یہ کہہ کر وہ مرد مومن اس قدر رویا کہ ہچکی اس کی بندھ گئی۔ پھر

دروازہ زندان کا کھول دیا۔ اور ہاتھ باندھ کر کہا۔ میرے شہزادو اب تم آزاد ہو۔ لیکن میرے آقازادو رات ہی رات میں اِس شہر پر دغا سے چلے جانا۔ ایسا نہ ہو کہ پھر پسر مرجانہ ملعون کے ہاتھ آجاؤ۔ اِن دونوں معصوموں نے ننھے ننھے ہاتھ پھیلا کر اُسے دعا دی اور ایک سمت کو روانہ ہوئے۔ آدھی رات تک یہ بچے رواں دواں پھرتے رہے۔ راستے سے قطعاً ناآشنا تھے۔ آخر تھک کر وہ ایک باغ میں جا کر سو گئے۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ آہٹ سے یہ دونوں اُٹھ بیٹھے اور چاروں طرف خوف زدہ ہو کر دیکھنے لگے۔ کہ ؎

اِک پیرزن اتنے میں نظر آگئی ناگاہ — خاوند کے آنے کی وہ گھڑی دیکھتی تھی راہ
یوں کہنے لگے اُس سے بصد عجز وہ ذیجاہ — دوپہر کو تو گھر میں اماں دے ہمیں للہ
گر پوچھے کوئی کس کے یہ دونو نظر ہیں
کہیو نہ خدارا کہ یہ مسلمؑ کے پسر ہیں

دونوں نے بہ منت جو کہا اُس سے یہ رو رو — تھی مومنہ معصوموں پہ رحم آگیا اُس کو
کہنے لگی میں تمکو چھپا رکھوں گی پھر ہو — میں واری گئی آؤ مری بی بی کے پیارو
مہمان ہوئے وہ ستم ایجاد کے گھر میں
دونوں کو اجل لے گئی جلاد کے گھر میں

کھانا بھی نہ کھایا نہ پیا دونوں نے پانی — اور سوئے بہم مسلم مظلوم کے جانی
وہ نیند نہ تھی موت کی گویا تھی نشانی — دروازہ پہ آپہونچا اُدھر ظلم کا بانی
طوعہ سے پکارا وہ یہ زنجیر ہلا کر
کوسوں کا تھکا آیا ہوں در کھول دے آکر

تھا طیش میں جلاد نے کھانا بھی نہ کھایا — اور خواب اجل نے اُسے بستر پہ گرایا
کچھ شب ابھی باقی تھی کہ پھر ہوش میں آیا — ابلیس نے سوتے ہوئے فتنے کو جگایا
صوت نفس گل بدناں کان میں آئی
پھولوں کی مہک حجرے سے دالان میں آئی

آہ آہ مومنین! حارث بدبخت گھبرا کے اُٹھا اور حجرے میں داخل ہوا۔ دیکھا

اُس نے کہ دو بچے ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈالے چپکے چپکے رو رہے ہیں اُس نے بہ کمال شفقت و دلداری نام و نسب اور سبب رونے کا ان بچوں سے دریافت کیا۔ انھوں نے ننھے ننھے ہاتھ جوڑ کر کہا اے مردِ خدا ہم مسلمؑ مظلوم کے یتیم بچے ہیں۔ اور زندان سے بھاگ کر تیرے گھر میں پناہ لی ہے۔ برائے خدا تو حاکم سے ہماری پوشیدگی کا حال بیان نہ کیجیو۔ اب زندان کی اذیتیں ہم سے نہیں سہی جاتیں۔ لیکن حضرات اس شقی ازلی نے یہ گفتگو سنتے ہی زلفیں دونوں شہزادوں کی پکڑ لیں۔ اور گھسیٹتا ہوا باہر صحن میں لایا۔ وہ دونوں معصوم اس بدبخت کی منتیں کر رہے تھے مگر اُسے ذرا رحم نہ آتا تھا۔ اتنے میں طوعہ کی آنکھ کھل گئی گھبرا کر بچوں کی طرف دوڑی اور اس جلاد بدنہاد سے اُن کو چھڑانے لگی۔ یہ دیکھ کر وہ ملعون غصے سے کانپنے لگا اور تلوار میان سے نکال کر قسم کھائی کہ اگر تو علیحدہ نہ ہوئی تو سر تیرا تن سے جدا کر دوں گا۔ مگر ہماری جانیں قربان ہو جائیں اس معظمہ پر کہ اُس نے ان دونوں کو اپنے کلیجے سے لگا لیا۔ اور رو رو کر کہا کہ اے دشمن اہلبیت اگر سو بار بھی مجھے زندگی عطا ہو تو میں قربان کر دوں گی ان شہزادوں پر سے مگر جدا نہ کروں گی ان کو اپنے سینے سے۔ یہ سنتے ہی وہ ملعون اُس ضعیفہ پر جھپٹا اور تلوار کی ایسی ضرب لگائی کہ سر اُس کا تن سے جدا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر دونوں بچے خوف سے تھر تھر کانپنے لگے۔ وہ سیہ بخت پھر ان کی طرف آیا اور رسن بستہ کر کے کھینچتا ہوا لے چلا۔ القصہ۔ س

بچوں کو لئے نہر پہ پہنچا جو وہ بے پیر دل ہل گئے بہت ہٹ کے یہ کی دونوں نے تقریر	اور دیکھی یتیموں نے جو چمکتی ہوئی شمشیر کر رحم کہ معصوم ہیں ہم بیکس و دل گیر

مظلوم ہیں حامی کوئی مشکل میں نہیں ہے
ظالم نے کہا رحم مرے دل میں نہیں ہے

آہ آہ عزادارو! یہ مجمع صاحبان اولاد کا ہے۔ ذرا کلیجہ پر ہاتھ رکھ لو کہ شنانہ جائیگا بیان ان مظلوم یتیموں کی شہادت کا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ ان بچوں نے ہر چند

منت و سماجت کی کہ اگر تو ہمیں آزاد نہیں کرتا تو زندہ ہی حاکم کے روبرو پیش کر دے۔ شاید اسے ہماری مظلومیت پر ترس آجائے۔ مگر اس سنگدل نے اسے بھی منظور نہ کیا۔ آخر وہ شہزادے اپنی زندگی سے قطعی مایوس ہو گئے۔ ایک بھائی دوسرے کو عجیب حسرت و یاس سے تکتا تھا۔ ؎

تب رو کے کہا مالک و مختار خدا ہے — کرنے دے نمازیں تو ادا سر یہ قضا ہے
وہ بولا نمازوں سے بھلا فائدہ کیا ہے — اگر جان بچا لیں یہ نمازیں تو بجا ہے

وہ بولے کہ یہ شیوہ ہے مشہور ہمارا
سر دینا عبادت میں ہے دستور ہمارا

الغرض حضرات ابمشکل تمام اس روسیاہ نے ان معصوموں کو دو رکعت آخری نماز پڑھنے کی اجازت دی مگر آہ آہ عزادارو! ابھی وہ عبادت گزار شہزادے ننھے ننھے ہاتھ اٹھائے رو رو کر درگاہ رب العزت میں دعا ہی مانگ رہے تھے کہ۔ ؎

نامرد نے حملہ کیا تلوار اٹھا کر — سر رکھ دیا چھوٹے نے وہیں جلد بڑھا کر
تب ہاتھ سے چھوٹے کو بڑا بھائی ہٹا کر — جا بیٹھا تہ تیغ دو دم سر کو جھکا کر

تلوار چمکتی تھی تو ہٹ جاتا تھا بھائی
پھر دوڑ کے بھائی سے لپٹ جاتا تھا بھائی

ناگاہ چلی ظلم کی تلوار بڑے پر — بالائے زمیں کٹ کے ستارا سا گرا سر
دریا میں ستمگار نے پھینکا تن اطہر — چلا کے یہ چھوٹے نے کہا ہائے برادر

دیکھا جو بڑے بھائی کا سر دست عدو میں
وہ گر کے تڑپنے لگا بھائی کے لہو میں

آیا جو شقی تیغ الم کر کے دوبارا — چلانے لگا بھائی کو وہ بھائی کا پیارا
مادر کو پکارا کبھی بابا کو پکارا — جلاد نے سر تن سے اس کا بھی اتارا

جنت سے وہاں مسلم خوشخو نکل آئے
اسوقت تو حارث کے بھی آنسو نکل آئے

مجلس ششم

حق تعالیٰ چمن خلد میں گھر دے اے حرؑ
اس رفاقت کا خدا تجھ کو ثمر دے اے حرؑ

امام مظلوم کا دشت کربلا میں وارد ہونا اور جناب حرؑ کا شہید ہونا

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی میرے جد امجد سید الشہدا حضرت امام حسینؑ کے مصائب پر خود روتا ہے یا کسی کو رلاتا ہے یا شکل رونیوالوں کی بناتا ہے تو فرشتے اس کے واسطے استغفار کرتے ہیں تاکہ گناہ کبیرہ و صغیرہ اس کے نامۂ اعمال سے محو ہو جائیں۔ اس جگر گوشۂ رسالت پر کہ جس نے بخشش امت کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑا۔ پورا کرتے اس وعدہ طفلی کو جو کیا تھا اُس نے اپنے جد امجد محمد مصطفےٰ سے اور دستخط محضر نامہ پر فرمائے تھے۔ تمام حرم اطہر کو معہ ننھے ننھے بچوں کے موسم گرما میں لیا۔ راہ کی صعوبتیں اُٹھاتا ہوا۔ انصار و احباب اور بنی فاطمہؑ کی قربان گاہ یعنی کربلائے معلیٰ کے لق و دق میدان میں جا کر تمام قربانیاں ربّ العزت میں روز عاشورہ وقت عصر تک پیش کر دیں۔

راویان اخبار جگر سوز و غم اندوز روایت کرتے ہیں کہ جب امام مظلوم اپنے برادر مکرم جناب مسلمؑ کو اپنی نیابت میں کوفہ کو روانہ فرما چکے اور خبر اس مظلوم کی کوئی نہ معلوم ہوئی تو حد درجہ موجب ملال خاطر آنجناب کی ہوا۔ اور عازم طرف کوفہ کے ہوئے۔ ؎

مکہ سے کیا کوچ ہوئے شاہ روانہ
منظور تھا کوفہ کو بسرعت انھیں جانا
مانع ہوئے احباب پہ حضرت نے نہ مانا
تھا مدنظر امر جو کچھ دل میں تھا ٹھانا
یہ شوق شہادت کا تھا اُس عاشق رب کو
یعقوبؑ صفت جاتے تھے یوسفؑ کی طلب کو

پیہم سوئے کوفہ تھا رواں عاشق باری
جس دم کبھی سائے میں ٹھہرتی تھی سواری

پھر دے کو اٹھا مسلم مظلوم کی پیاری ۔۔۔ حضرت سے یہ کہتی تھی چچا جان ہیں واری

کب چاند سی صورت ہمیں دکھلائیں گے بابا
کوفے سے ہمیں لینے کو کب آئیں گے بابا

فرماتے تھے تب شاہ کہ اے باپ کی شیدا ۔۔۔ گھبرائی ہے کیوں جلد ملے گا ترا بابا
میرا بھی وہی حال ہے جو حال ہے تیرا ۔۔۔ بھائی کی ملاقات کو میں بھی ہوں ترپتا

میں ساتھ ہوں بابا کے بھی ملنے کا یقیں کر
صغرا کو تو دیکھو کہ کوئی پاس نہیں ہے

القصہ حضرت امام مظلوم نے راہ میں ایک سایہ دار جگہ میں قیام فرمایا۔ مگر اس روز قرار ان جناب کو ایک پل نہ آتا تھا۔ کبھی خیموں میں عترت اطہار کے تشریف لے جاتے تھے کبھی پھر گھبرا کر باہر تشریف لے آتے تھے

اس روز تھے مغموم بہت حضرت شبیر ۔۔۔ خاموش تھے خود اور ہوا تھا صورت تصویر
ہر سو نگراں تھے مگر افسردہ و دلگیر ۔۔۔ تھا دھیان خبر پوچھوں جو آئے کوئی رہگیر

رخساروں پہ آنکھوں سے بھی اشک رواں تھے
اس بھائی کی تنہائی کے ورد زباں تھے

قاصد کوئی نامہ تھا نہ مسلم کا جو لایا ۔۔۔ تشویش میں تھا حیدر کرار کا جایا
ناگہ انہیں اک مرد مسافر نظر آیا ۔۔۔ بلوا کے کسی کو اسے حضرت نے بلایا

شہ نے کہا کوفے کا مسافر تو اگر ہے
مسلم مرے بھائی کی بھی کچھ تجھ کو خبر ہے

سن ہو گیا حضرت سے یہ سن کر وہ مسافر ۔۔۔ کیا کہتا کہ مسلم کے وہ تھا قتل سے ماہر
چہرے پہ جو اس شخص کے وحشت ہوئی ظاہر ۔۔۔ کہنے لگے گھبرا کے شہ صابر و شاکر

اے شخص بتا رنگ ترا کس لئے فق ہے
کہہ جلد خدا را کہ مرے دل کو قلق ہے

رو رو کے وہ تب بولا کس منہ سے کہوں آہ ۔۔۔ مسلم کا بھی سر کٹ گیا ہانی کا بھی یا شاہ

اور راہوں میں لاشوں کے رسن باندھ کے بدخواہ　　کھینچے لئے پھرتے ہیں جفا کار سر راہ

دونوں سروں کی شام میں جانیکی خبر ہے
لاشوں کو سر دار چڑھانے کی خبر ہے

جب شہ نے سنی یہ خبر مسلم بے پر　　رقت کا ہوا جوش لگے کانپنے تھر تھر
سینہ میں تڑپنے لگا دل مثل کبوتر　　منہ کر کے سوئے کوفہ کہا ہائے برادر

رکھ لیتے تھے رومال کبھی دیدۂ نم پر
رہ رہ کے وہ روتے تھے برادر کے الم پر

روتے ہوئے یوں باپ کو اکبر نے جو دیکھا　　بابا کے گلے لپٹے سبب گریہ کا پوچھا
شبیر نے رو کر کہا ہم لٹ گئے بیٹا　　سر کوفیوں نے مسلم مظلوم کا کاٹا

غش آتا ہے ہاں ریتی پہ ہم کو تو لٹا دو
خیمہ میں خبر جا کے مری جان سُنا دو

اکبر کا بیاں سن کے بپا ہوگیا محشر　　تڑپے پسر مسلم مظلوم زمیں پر
چھاتی سے لگا کر انھیں کہنے لگے اکبر　　راضی بہ رضا رہ کے کرو صبر برادر

جو ہونا تھا سو ہو چکا اس کشتۂ غم پر
اب باقی رہا وہ ہے جو کچھ ہونا ہے ہم پر

القصہ مومنین! ابھی حرم مبارک مسلم مظلوم کے ماتم سے فارغ نہ ہوئے تھے۔ کہ آپ کے آقائے نامدار نے روانگی کا حکم دیا اور یہ قافلہ بعد گریہ وزاری روانہ ہوگیا۔ یہانتک کہ قصر بنی مقاتل تک پہنچا۔ حضرت نے یہاں قیام کے لئے ارشاد فرمایا۔ مگر ابھی خیمے حرم محترم کے ایستادہ نہ ہوئے تھے کہ ایک صحابی نے آکر دست بستہ عرض کی کہ اے فرزند رسول سامنے کوفے کے نخلستان نظر آ رہے ہیں جو اشارتاً ہمیں خون مسلم مظلوم کے قصاص کی دعوت دے رہے ہیں۔ اگر حضور کی اجازت ہو تو ہم نمک خوار وہاں جا کر بے دین غداروں کے خون سے اپنے جذبہ قصاص کی پیاس بجھائیں۔ حضرت نے اس طرف نظر کی اور آہ سرد بھر کر فرمایا کہ اے حسینی جاں بازو یہ کوفے کے نخلستان نہیں بلکہ اس فوج کے نشان نظر آتے ہیں

جو ابن زیاد نے کوفہ سے ہمارے محاصرے کے لئے روانہ کی ہے۔ میرے بھائی عباسؑ اور میرے لخت جگر علی اکبرؑ سے کہدو کہ وہ پہاڑ کی پشت پر حرم محترم کے خیمے نصب کرائیں تاکہ لشکر کے سپاہیوں کی نظر ان خیام پر نہ پڑے۔ اللہ اکبر مومنین اکسقدر اہتمام فرما رہے تھے آقا و مولا حرم مبارک کے پردے کا اس عالم غربت میں بھی عزاداران حسینؑ شہید کی روح مطہر پر کیا گذری ہوگی اسوقت جبکہ بعد شہادت لعین درانہ خیموں میں سیدانیوں کے گھس گئے ہوں گے اور چادریں ان بی بیوں کی سر سے اتار لی ہونگی۔ آہ آہ! سر شبیرؑ نے ان بی بیوں کو سر برہنہ بازار کوفہ و شام میں پھراتے اور دربار یزید پلید کے پیش ہوتے کن آنکھوں سے دیکھا ہوگا

القصہ خیام اہلبیت ابھی نصب بھی نہ ہونے پائے تھے کہ لشکر کوفہ قریب آپہونچا اور امام عالیمقام کی طرف رُخ کیا تو جناب عباس علمدار کو جلال آگیا۔ آپ نے اپنی شمشیر برہنہ کر لی اور للکار کر فرمایا

آنے لگے حضرت کی طرف جب وہ جفا کار
عباس یہ للکارے کہ بڑھنا نہ خبردار
بسا ہے یہاں خیمۂ شاہنشہ ابرار
آئین ادب سے تمہیں بہرہ نہیں زنہار
کچھ عرض اگر کرنا ہے بس دُور ٹھہر کر
سردار بھی گر آئے تو گھوڑے سے اُتر کر

سُن کے پکارا اسد اللہ کا ضرغام
تم لوگوں میں سردار ہے کون اے سپہ شام
دجوڑ کے ہاتھوں کو یہ بولا وہ خوش انجام
سردار ہوں اس فوج کا ہیں حر ہے مرا نام
دعوٰی غلامی ہے مجھے آل نبی سے
اب عفو ہو محجوب ہوں اس بے ادبی سے

جب حُر نے بصد عجز یہ تقریر سنائی
شہ بولے مرے سر کی قسم آنے دو بھائی
جسوقت اجازت حرِ دیندار نے پائی
خود بھی با ادب آگے بڑھا فوج بھی آئی
دیکھا جو شہنشاہ کے اقبال و حشم کو
مجرا کیا صف باندھ کے سلطان امم کو

منہ دیکھ کے فرمانے لگے شاہ خوش اقبال
کیا وجہ جو تم لوگ ہوئے مضطرب الحال

تب عرض یہ کی حُر نے کہ پانی کا پڑا کال — دو روز سے سب تشنہ ہیں اے فاطمہ کے لال
اب جان کسی تن میں نہ رہوار میں دم ہے
اے ساقیِ کوثر کے پسر وقت کرم ہے

یہ سنتے ہی بیتاب ہوئے سبطِ پیمبر — دیکھا رخِ عباس کو اشک آنکھوں میں بھر کر
فرمایا کہ یہ لوگ ہیں سب پیاس سے مضطر — کُل پانی جو ہے ساتھ منگا دو برادر
تشویش نہ مطلق کرو پروا نہیں کیا ہے
اغیار نہ پیاسے رہیں اپنا تو خدا ہے

جب ہو چکی سیراب سپاہِ حُرِ دیندار — عباسؑ سے فرمانے لگے سیدِ ابرار
مضطر ہیں زبانوں کو نکالے ہوئے رہوار — جی بھر کے انھیں سیر کرو اے مرے غمخوار
حیواں بھی کوئی تشنہ و مغموم نہ رہ جائے
یہ ڈر ہے سخی کا کوئی محروم نہ رہ جائے

تب حُر نے یہ کی عرض کہ اے خاصۂ داور — بھیجا ہے مجھے حاکمِ کوفہ نے یہ کہہ کر
رستہ میں جہاں تجھ کو ملیں سبطِ پیمبر — تو ساتھ سے ان کے نہ جدا ہو جیو دم بھر
یثرب تو کجا سوئے نجف جانے نہ دینا
کوفے کے سوا اور طرف جانے نہ دینا

حضرت سید الصابرین ابھی خاموش ہی تھے کہ جناب عباسؑ نے غیظ و غضب سے تھرتھراتے ہوئے فرمایا۔ اے شقی ازلی زبان کو اپنی لگام دے۔ ورنہ قسم ہے رب ذوالجلال کی ابھی اِسے شمشیر آبدار سے قطع کر دوں گا۔ کیا مجال ہے تیری اور تیرے حاکم کی کہ تو عباسؑ کے ہوتے ہوئے نظر میرے آقا پر ڈالے۔ مومنین: ہمارے صابر و شاکر مولا نے بھائی کو شفقت سے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ اے جانِ برادر صبر سے بہتر جوانمرد کے لئے کوئی ہتھیار نہیں۔ یہ کہکر امام مظلوم نے روانگی کے قصد سے رہوار اپنا موڑا تو حُر نے آگے بڑھ کر باگ پکڑ لی۔ اور کہا کہ حضور اب قصدِ سفر کو ترک فرمائیں۔ میں اپنے حاکم کے حکم سے مجبور ہوں

کہ جناب کو آگے نہ جانے دوں۔ مگر آپ نے پھر صبر امامت سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ اے حرؑ اپنی عاقبت کی فکر کرو اور اپنے امام برحق سے بے ادبانہ پیش نہ آؤ۔ حرؑ کمال نادم ہوا اور ہمراہ ان حضرات کے معہ اپنی سپاہ روانہ ہو گیا۔ یہانتک کہ مومنین! دوسری تاریخ محرم کی تھی کہ یہ سب ارض نینوا پر پہنچے۔ آپ نے لوگوں سے نام اس مقام کا دریافت فرمایا۔ لوگوں نے مختلف نام بتائے۔ مگر جب کسی نے کربلا نام اس زمین کا بتلایا۔ تو حضرتؑ کے رخسار پر اشک رواں ہوگئے۔ آپ نے ایک آہ سرد کھینچی۔ اور انا للّٰہ وانا الیہ راجعون فرمایا۔ یہ سنکر سب اعزا اور رفقا بیتاب ہوگئے اور سب باصرار سبب دریافت کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا یہ ہماری ابدی آرامگاہ ہے۔ اے برادر عباسؑ اور اے قاسمؑ واکبرؑ وانصاران حسینؑ آگاہ ہو جاؤ کہ یہی وہ قربان گاہ ہے۔ جہاں آٹھ دن کے بعد روز عاشور وقت عصر تک تمام قربانیاں پروردگار عالم کی جناب میں پیش ہو چکی ہوں گی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے رسول خدا کی عترت کو سربرہنہ شتران بے کجاوہ پر سوار کرکے کوفہ و شام کے بازاروں میں پھراتے ہوئے دربار یزید میں پیش کیا جائے گا۔ ہماری گھوڑوں سے پامال شدہ لاشیں بے گور و کفن جلتی ہوئی ریتی پر پڑی رہیں گی۔ یہ سنکر تمام عزیز و رفقائے شاہ بیتاب ہوگئے اور زار زار رونے لگے۔ سرپیٹ کر کہتے تھے کہ اے امام عالیمقام ہماری جانیں تو اگر قدموں پر جناب کے قربان ہو جائیں تو عین شرف و آرزو ہے۔ مگر آقا و مولا آپ نے اپنی شہادت اور عترت اطہار کی بے پردگی بیان فرما کر بسمل کر دیا۔ حضور والا خدا کے لئے جلد ارشاد کریں کہ یہ فرمانا جناب کا محض اپنے جانثاروں کی محبت کا امتحان ہے ورنہ ہم اپنی گردنیں قلم کر ڈالینگے امام مظلوم یہ سنکر بیتاب ہوگئے مگر صبر امامت سے کام لے کر فرمایا کہ اے شمع امامت کے پروانو! جو کچھ تم نے کہا وہ تمہارے خلوص و محبت کا تقاضا تھا۔ مگر مشیت ایزدی میں چارہ نہیں۔ راضی برضا رہنا ہمارا فرض اولین ہے۔ تم میرے نقش قدم پر چلو اور صبر کرو۔ ☆

یہ کہکے پھر سے اشک بھرے انکھوں میں سرور	آئے حرم پاک کے اونٹوں کے برابر
محمل سے پکاری شہ مظلوم کی خواہر	کیا آج اسی دشت میں رہئے گا برادر

ہر سمت یہاں گریہ و زاری کی صدا ہے
بھیّا مجھے بتلاؤ تو یہ کونسی جا ہے

آواز مجھے اماں کی آتی ہے یہ ہر آن
اے دشت بیکس ہے ترا آج سے مہمان
اے وادیِ غربت کے مسافر ترے قربان
آباد تو ہوویگا پہ بستی مری ویران

یہ وہ ہے نبی چومتے تھے جسکے گلے کو
آرام سے رکھیو مرے نازوں کے پلے کو

حضرت نے کہا خیر ہے گھبراؤ نہ خواہر
چھوڑا ہے ابھی ارضِ مقدس کے لئے گھر
یہ پاک زمیں ساری زمینوں سے ہے بہتر
مسکن ہو یہاں جسکا خوشا اس کا مقدر

ظاہر میں لعیں گو ہمیں برباد کریں گے
تا حشر اسے ہم مگر آباد کریں گے

خیمے ہوئے برپا حرم شاہ کے پھر واں
رہ رہ کے ہراک بات پہ ہو جاتی تھی گریاں
سب بی بیاں محمل سے تو اتریں مگر حیراں
شہ روتا انھیں دیکھ کے بیحد تھے پریشاں

سمجھاتے تھے سب کو کبھی وہ خیمہ میں جاکر
پھر اشک بہاتے تھے کبھی خیمہ سے آکر

الغرض حضرات منقول ہے کہ ۶ ماہ محرم الحرام تک خیمے امام مظلوم کے کنارے فرات کے رہے اور فوجیں ابن زیاد بدنہاد کی طرف سے عمر سعد ملعون کے پاس آ کر جمع ہوتی جاری تھیں۔ اور حرم پاک میں ہر ایک بی بی کا اضطراب بڑھتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ساتویں تاریخ کو ابن زیاد کا حکم عمر سعد کے نام پہنچا کہ خیمے شہ والا کے لب فرات سے ہٹا دئے جائیں۔ اور پانی ان پر قطعی بند کر دیا جائے۔

جب ساتویں تاریخ کی مقتل میں شب آئی
شب آئی کہ فوج غم و رنج و تعب آئی
غربت میں نبی زادوں پہ آفت عجب آئی
تھا شور کہ بس موت غریبوں کی اب آئی

راحت نے کنارا کیا زہرا کے پسر سے
پانی بھی ہوا بند اسی شب کی سحر سے

ہر ستم کو مصیبت تھی قیامت تھی ہم کو
بچوں پہ عجب پیاس کی شدت تھی ہم کو
اک حشر بپا خیمہ میں یہ رقت تھی ہم کو
اللہ نہ دکھلائے جو آفت تھی ہم کو

وہ دن بھی کٹا جب تو قیامت کی شب آئی
کھولے ہوئے بالوں کو شہادت کی شب آئی

مر مر کے کٹی شب تو لڑائی کا دن آیا
غل تھا کہ "تلاطم کا دہائی کا دن آیا
ہمشیرہ برادر کی جدائی کا دن آیا
زہراؑ کے بھرے گھر کی صفائی کا دن آیا

بیت الشرف صاحب معراج لٹے گا
محبوب الٰہی کا چمن آج لٹے گا

ظاہر ہوئی گردوں پہ سپیدی جو سحر کی
فضہ نے ادھر دوڑ کے خیمہ میں خبر کی
خود شاہ نے مشرق کی طرف اٹھ کے نظر کی
لو صاحبو! رخصت ہے شہ جن و بشر کی

تیار جماعت ہے نماز آپ پڑھیں گے
اب فرض ادا کر کے لڑائی پہ چڑھیں گے

حضرات! پدر بزرگوار جناب امام زین العابدینؑ کے آخری نماز فجر بعد خشوع و خضوع ادا فرما رہے تھے کہ ملاعین کے تیر ستم کی بارش ہونے لگی۔ شمع امامت کے جانباز پروانے ہر چہار طرف کھڑے تھے اور اپنے سینے سپر کر رکھے تھے۔ یہ دیکھ کر حرم میں ایک کہرام بپا ہو گیا۔ حسینؑ مظلوم کی دکھیاری بہن بال کھولے زیر آسمان ہاتھ اٹھائے رو رو فرما رہی تھیں کہ اے پالنے والے اور اے مظلوموں کے والی میرے ایک بیکس بھائی کا خون بہانے کے لئے رسالوں پر رسالے چلے آتے ہیں۔ مگر میرے مظلوم بھائی کی مدد کے لئے کوئی مستعد نہیں ہوتا۔

ابھی ان معظمہ کی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ حُر کے مع فرزند و غلام کے رومال سے ہاتھ باندھے ہوئے آنے کی خبر فضہ نے دی۔ جناب زینبؑ کے دل کو بڑی ڈھارس سی ہو گئی۔ خداوند عالم کا شکریہ ادا کیا۔ اور بیتاب ہو کر فرمایا۔ اے فضہ

اور شہ کو ہماری طرف سے سلام کہدے ۔ جناب حر ابھی تک ناد ہی میں تھے کہ سنا انھوں نے کہ جناب زینبؑ نے سلام کہلوایا ہے ۔ وہ محب اہلبیت بے تاب اور بے قرار ہو گیا ۔ اپنے منہ کو دونوں ہاتھوں سے پیٹ لیا ۔ اور رو کر کہا اللہ اکبر! آج اہلبیت رسول اللہ پر یہ وقت آن پڑا کہ غلامان غلام کو سیدہ عالم کی بیٹی علی مرتضیٰ کی شہزادی نے سلام کہلوایا ہے ۔ الغرض زار و قطار ہاتھوں کو رومال سے باندھے ہوئے حضرت شاہ شہید ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور سر اپنا آنجناب کے قدموں پر ملنے لگا ۔ ؎

روتا ہوا آیا یہ حضور شہ صفدر | مجرا کیا حر نے سر تسلیم جھکا کر
آنکھوں سے لگائے قدم سبط پیمبر | کی عرض کہ مجرم ہوں اے خامسہ داور

دوزخ کے شراروں سے بچا لیجئے آقا
اب عاصی کو مرنے کی رضا دیجئے آقا

حضرت نے سنا جب تو بندھا آنسو لگاتار | چھاتی سے لگا کر اسے بولے شہ ابرار
تو بھول نہ جانا ہمیں اے یار وفادار | کوثر پہ ہی اب ہوگی ملاقات پھر اک بار

تو ہم پہ تو ہم تجھ پہ فدا ہوئیں گے بھائی
لاشے پہ ترے آن کے ہم روئینگے بھائی

راوی کہتا ہے کہ حر دلاور سید الشہداء سے اجازت لے کر اس تیزی سے میدان جنگ کی طرف بڑھے جیسے کمان سے تیر نکل کر جاتا ہے ۔ میدان جنگ میں پہنچ کر رجز پڑھا ۔ اور بپھرے ہوئے شیر کی مانند سپاہ بے دین پر جھپٹا ۔ ؎

نعرہ کیا کیا تکتے ہو منہ کو مرے حسرت سے | مل کے آیا ہوں منہ اپنا قدم حضرت سے
نور چہرے پہ ہے شبیرؑ کی یہ الفت سے | ہیں وہ بدبخت جو محروم ہیں اس دولت سے

دیکھ کر ہی مجھے تم بید سے تھراتے ہو
ایک ہی وار میں سب سوئے سقر جاتے ہو

یہ سخن سنکے پکارا پسر سعد شریر | ہاں طرفدار شہ دیں پہ چلیں نیزہ و تیر

لے کے ہتھیار بڑھا فوج کا انبوہ کثیر | یاعلیؑ کہہ کے جواں مرد نے کھینچی شمشیر
نوبت جنگ نہ آئی تھی کہ دل ٹوٹ گئے
بیرقیں گر گئیں ہاتھوں سے نشاں چھوٹ گئے

رعد تھرا گیا نعرے جو سنے ضیغم کے | استخواں کانپ گئے زیر زمیں رستم کے
تہ و بالا ہوئیں لشکر کی صفیں جم جم کے | برق شمشیر سے ڈر ڈر کے فرس بھی چمکے
اپنی جانبازی کا شہ سے جو صلا پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

حیف جھکنے میں لعینوں نے جو فرصت پائی | سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
لاکھ خونریز ادھر اور ادھر تنہائی | باگ گھوڑے کی پھراتا تھا کہ برچھی کھائی
آگیا موت کے پنجے میں نہ کچھ دیر لگی
فرق پر گرز لگا دوش پہ شمشیر لگی

واں گرا خاک پہ گھوڑے سے حُر با توقیر | اور ادھر روتے چلے رن کو جناب شبیر
دیکھ کر شاہ کو آتے ہوئے بھاگے بے پیر | پہنچے لاشے پہ امام دو جہاں وقت اخیر
چمن ہستی مہماں کو اجڑتے دیکھا
ایڑیاں خاک پہ زخمی کو رگڑتے دیکھا

سر کو زانو پہ رکھا اور یہ پکارے سرور | میرے مہمان و مددگار و معین و یاور
موت کیا آئی تمہیں ٹوٹ گئی میری کمر | مرتے مرتے بھی مجھے آہ نہ کی تم نے خبر
دوست کے ہجر میں کب دوست کو چین آیا ہے
آنکھ تو کھولو ذرا بھائی حسین آیا ہے

واہ رے حُر جری میں تری ہمت کے فدا | اس کو کہتے ہیں محبت اسے کہتے ہیں وفا
ہے یہ بیکس ترا شرمندۂ احساں بخدا | بھائی بھی بس یہی کرتا مرا جو تو نے کیا
حق تعالیٰ چمن خلد میں گھر دے بھائی
اس رفاقت کا خدا اجر کو ثمر دے بھائی

مجلس ہفتم

گو عون و محمد نہ تھے شبیر کے فرزند بھائی کی مگر جان تھے ہمشیر کے فرزند

شہادت حضرات عون و محمد فرزندانِ جنابِ زینبؑ

جناب سرور کائنات رسول مقبول حبیب خدا حضرت محمد مصطفےٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے اہلبیت سفینہ نوح کی مثال ہیں جس نے زیر سایہ ان کے پناہ لی اس نے نجات پائی اور جس نے انھیں چھوڑ دیا ہوا وہ اس میں غرق ہو گیا۔ شارحین شرح میں اس حدیث کی یہ فرماتے ہیں کہ اہلبیت کی حقیقی محبت بغیر نجات آخرت قطعی ناممکن و محال ہے۔ روز محشر کوئی عمل نیک اس شخص کا قبول نہ ہوگا۔ جس کا دل الفت اہلبیت سے محروم ہوگا۔

افسوس صد افسوس حضرات! اگر حضرت رسول خدا تو امت سے اہلبیت کی محبت کے لئے طرح طرح سے تاکید فرمائیں ادھر امت اُن کے جگر پاروں کی ایسی خون کی پیاسی ہو جائے کہ لق و دق میدان کربلا میں تین کا بھوکا پیاسا ان کو رکھ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ صاحبان مقاتل لکھتے ہیں کہ جب کربلا والے صغیرسن فرزندان جناب مسلم شہادت سے سرفراز ہو چکے تو امام مظلوم ان کے لاشوں کو گنج شہیداں میں لٹا کر بحسرت ویاس خیمے میں جا کر ایک گوشے میں سر جھکا کر بیٹھ گئے اور زار و زار رونے لگے۔ تھوڑی دیر بعد سر اقدس اُٹھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ شمع امامت کی پروانہ بہن اپنے دونوں معصوم بچوں کی انگلی پکڑے بھائی کے گرد پھر رہی ہے۔ سید الشہدا نے گھبرا کر پوچھا کہ اے بہن! یہ تمہارا کیا حال دیکھ رہا ہوں۔ بچوں کی انگلی پکڑے میرے گرد کیوں پھر رہی ہو۔ جناب زینبؑ تو فرط غم و الم کی بنا پر کوئی لفظ منھ سے نہ نکال سکیں مگر ان شہزادوں نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ ماموں جان اماں کہتی ہیں کہ کربلا آئی ہیں کہ بچوا تم کو میں تمہیں اپنے ماں جائے پر تصدق کر دوں۔ شاید یہ میرا حقیر فدیہ خدا کی درگاہ میں قبول ہو جائے

اور میرے بھیا کی جان بچ جائے۔

یہ دلخراش کلام ان بچوں کی زبانی سُنکر حضرت بیتاب وبیقرار ہوگئے اور زینبؑ کو گلے سے لگا لیا۔ دونوں کی چیخیں نکل گئیں۔ دیر تک دونوں بہن بھائی ایک دوسرے سے لپٹے روتے رہے۔ آخر کار سید الصابرین نے بہن کو تسلی دلاسا دیا اور روتے ہوئے خیمۂ اقدس سے باہر تشریف لائے اور اِدھر جناب زینبؑ نے اپنے اِن بچوں کو لباس پہنایا۔ ہتھیار لگائے اور رو کر کہا۔ دُکھیا ماں کے نازوں کے پالو اس دائی نے تمہیں اسی دن کے لئے پالا تھا اگر آج تم دونوں میرے بھائی پر سے قربان ہوگئے تو میں تمہیں اپنا دودھ بخشوں گی۔ یہ کہکر دل بھر آیا۔ دونوں کو کلیجے سے لگا کر خوب پیار کیا اور رو رو کر کہا۔ لو شہزادو اپنی پالنے والی کو اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے آخری سلام کرکے سدھارو!۔ القصہ مومنین ا

لشکر میں تلاطم تھا غضب چلتی تھی تلوار
وہ جوڑ کے ہاتھوں کو یہی کرتے تھے گفتار
بیتاب تھے یاں زینبؑ ناشاد کے دلدار
ہم جائیں گے اب ماموں سوئے لشکر کفار

شہ نے کہا یہ داغ تو دشوار ہے ہم پر
ان دونوں نے سر رکھ دیئے [illegible] قدم پر

حضرت نے کہا ماں سے بھی ہو آئے ہو رخصت
کس منہ سے رضا دوں کہ نہیں پڑتی ہے ہمت
کیا کہتے ہو لٹوادوں میں ہمشیر کی دولت
چھوٹے نے یہ حضرت سے کہا تھام کے رقت

جھوٹے نہیں ہم آپ ابھی پوچھ لیں سب سے
اماں تو رضا دے چکی ہیں مرنے کی شب سے

بچوں نے جو کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر
فرمایا چھٹرانا ہے تمہیں بھی فلک پیر
ان دونوں کا منھ دیکھ کے رونے لگے شبیر
اچھا میں رضا مند ہوں جو مرضی ہمشیر

وہ سیدۂ پاک نواسی ہے نبیؐ کی
فیاض کی ہمشیر ہے بیٹی ہے سخی کی

یہ سُن کے جھکے آخری تسلیم کو ذی جاہ
کی سوئے فلک دیکھ کے شبیرؑ نے اک آہ
خورشید کے آگے مہ نو بن گئے وہ ماہ
دو شیر چلے گھوڑوں پر چڑھ کر سوئے جنگاہ

دل تھام کے ماں نے کہا لڈہ نہ اب آنا
لاشیں تمہیں خود گود میں بھیا ہی تب آنا

پھر رو کے پکاریں کہ کیا بھائی پہ وا ری — تم جاتے ہو یا جاتی ہے دولھا کی سواری
پروان چڑھے ختم ہوئیں شادیاں ساری — لو دور سے لیتی ہوں بلائیں میں تمہاری

صدقے گئی نیزوں کو ہلاتے ہوئے جاؤ
ہاں آخری دیدار دکھاتے ہوئے جاؤ

تسلیم کو گھوڑے سے جھکے دونوں وہ گلرو — دل ماں کا یہ امڈا کہ ٹپکنے لگے آنسو
باگیں جو اٹھائیں تو فرس بن گئے آہو — پھر دیکھنے پائی نہ انھیں زینب خوشخو

میداں کی طرف یاس سے ماں رہ گئی تک کر
پنہاں ہوئے بدلی میں ستارے سے چمک کر

تن تن کے جو شان اپنی دکھاتے تھے وہ ذیجاہ — چھاتی سے لگا لیتے تھے دونوں کو ید اللہ
شمشاد سے قامت تھے دراز اور نہ کوتاہ — کھیلے ہوئے تیغوں میں فن جنگ سے آگاہ

ناحق میں دلیروں کے سب اندازہ غلط تھے
بچے تھے مگر بچۂ ضرغام خدا تھے

الغرض مومنین! ادھر وہ دونوں شہزادے میدانِ جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے۔ ادھر ماں درِ خیمہ پر بے تاب کھڑی تھی۔ دونوں ہاتھوں سے کلیجے تھامے ہوئے رو رو کر کہتی تھی کہ اے پالنے والے میں نے اپنے دونوں نازوں کے پالوں کو اپنے بھیا کے اوپر سے صدقہ کیا۔ اے خلیل کی قربانی کو قبول کرنے والے اس ناچیز کے ہدیہ کو بھی تو قبول فرما اور مجھے بن بھائی کا ہونے سے بچا۔ ایک طرف مظلوم کربلا حضرت عباسؑ اور علیؑ اکبر کو لئے اپنے پروانہ صفت بھانجوں کی جانبازی کے کرشمے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔ جب وہ بچے لاعین کی فوج میں چھپ جاتے تھے تو حضرت بیتاب اور بے قرار ہو کر زار زار رونے لگتے تھے۔ تو مومنین!

دم لیکے جو گھوڑوں کو اڑاتے تھے وہ جرار — اعدا کے رسالوں کو بھگاتے تھے وہ جرار

شیروں کی طرح فوج پہ جاتے تھے وہ جرار
دو کر کے گراتے تھے جسے پاتے تھے جرار
وہ سینچے تجلی سے گذرتے تھے کمر سے
آدھے ہوئے جاتے تھے لعیں جان کے ڈر سے

ناگاہ بڑھا شمر لعیں فوج کی صف سے
وعدہ کیا خلعت کا ہر اک تیغ بکف سے
دونوں پہ چلے تیر ستم چار طرف سے
آنے لگی فریاد کی آواز نجف سے
غل تھا کہ نواسوں کو علیؑ کے اجل آئی
سر کھولے ہوئے قبر سے زہراؑ نکل آئی

پڑنے لگی معصوموں پہ تلوار پہ تلوار
کٹ کٹ کے وہ چھوٹے سے عمامے ہوئے گلنار
جب چھاتیوں سے ہوتی تھی نیزے کی انی پار
تن تن کے وہ کہتے تھے کہ یا حیدرِ کرار
دو روز کے پیاسوں کی دغا دیکھیے مولا
دو بچوں پہ لاکھوں کی جفا دیکھیے مولا

تلوار لگانے جو لگا ایک ستمگر
چھوٹے نے رکھے ہاتھ بڑے بھائی کے سر پر
ہیہات کہ ہاتھ اُسکے گرے خاک پہ کٹ کر
دو ٹکڑے ہوا تا بہ جبیں عون کا بھی سر
کس عمر میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

غل طبلِ ظفر کا صفِ دشمن میں ہوا جب
اور کانپتی تھی خیمہ کے در پر کھڑی زینبؑ
یہ کہتے تھے سر کھولے ہوئے اہلِ حرم سب
زینبؑ کی کمائی کو بچا لیجیو یا رب
وہ کہتی تھیں دُنیا سے سفر کر گئے دونوں
تم جن کی دعا کرتی ہو وہ مر گئے دونوں

ٹکڑے ہوا سینے میں دلِ سبطِ پیمبر
روتے ہوئے لاشوں پہ جب پہنچے شہِ صفدر
چھوٹے سے بڑے نے کہا یہ ہوش میں آ کر
بالیں پہ حضور آئے ہیں چونکو تو برادر
مشتاق تھے تم سیدِ ذی جاہ کو دیکھو
مرتے ہوئے دیدارِ شہنشاہ کو دیکھو

سن کر یہ صدا غش سے جو چونکا وہ دلفگار	دونوں نے رکھا سر قدم شاہ پہ اکبار
اکبرؑ سے یہ کی عرض کہ اے شاہ کے دلدار	دشمن میں بہت قبلہ عالم سے خبردار

ہم دونوں غلاموں کا نہ غم کھائیو بھائی
سر پیٹیں جو اماں انھیں سمجھائیو بھائی

یہ کہہ کے لگے ہچکیاں لینے وہ پیارے	سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبیر پکارے
بس موت کے آثار نمایاں ہوئے سارے	ماموں سے بچھڑتے ہو میں قربان تمہارے

پھر کی نہ کوئی بات سفر کر گئے دونوں
آنسو تھے رواں آنکھوں سے اور مر گئے دونوں

مجلس ہشتم

ماں کہتی تھی سہرا رخ نوشاہ پہ دیکھوں ٭ میں اپنی مسرت کو ترے بیاہ پہ دیکھوں

شہادت جناب قاسمؑ فرزند دلبند جناب امام حسن علیہ السلام

جناب رسولخدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جو کوئی میرے دونوں فرزندوں حسنؑ حسینؑ پر روئے پروردگار عالم اس کی آنکھ کو کسی غم میں نہ رلائے۔ حضرات اگر ہمیں سو بار زندگی عطا ہو تو ہر زندگی کو خون کے آنسو رو رو کر ختم کر دیں۔ حبیب خدا کے ان نازوں کے پالوں کی مصیبتوں کو یاد کر کے اللہ اکبر کونسی ایسی جفا اور بیداد تھی جو ان دونوں شہزادوں اور ان کے کنبہ پر نہ گذر گئی ہو۔ مقاتل میں تحریر ہے کہ روز عاشور وہ روز تھا کہ جس روز درخت پتھر، آسمان و زمین، چرند پرند، جن و ملک سب خون رو رہے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ جب امام مظلوم کی دکھیاری بہن کے دونوں فرزند اپنے ماموں پر قربان ہو گئے تو جناب قاسم بیتابانہ خیمہ میں تشریف لائے اور اپنی مادر گرامی سے لپٹ کر زار زار رونے لگے اور فرمانے لگے۔ اماں جان ہمارے عمو جس نرغے میں گھرے ہیں اس سے آپ بخوبی

واقف ہیں۔ ان کی اِس بے کسی پر ننھے ننھے جانباز میری آنکھوں کے سامنے ان پر سے قربان ہوئے اور حقِ مہر و وفا ادا کیا اور میں حسرت سے کھڑا تکتا رہا۔ اے مادرِ گرامی! اب طاقت ضبط مجھ میں نہیں اجازت دیجئے کہ اب میں بھی اپنے چچا جان پر سے فدا ہوں۔ یہ سنکر ماں بیتاب ہو گئی۔ بیٹے کو کلیجے سے لگا لیا اور دونوں بازو ممتا کے جوش میں دست مبارک سے بھینچ لئے بیٹے کے دہنے بازو پر اپنے سرتاج کے ہاتھ کا باندھا ہوا تعویذ محسوس ہوا۔ امام سبز قبا کی آخری وصیت یاد آگئی دل امنڈ آیا۔ جلدی سے آستین الٹی۔ تعویذ کھول کر بوسہ دیا اور رو رو کر پڑھنا شروع کیا۔ مومنین اس میں تحریر تھا کہ اے مادرِ قاسم! جب تم میرے مظلوم بھائی فرزند رسول امام حسینؑ کو ملاعین کے نرغے میں گھرا ہوا دیکھو تو اُن کے غلام قاسم کو اپنے ہاتھ سے مسلح کر کے اُن پر قربان ہونے کے لئے میدان جنگ میں روانہ کر دینا۔ مگر تیوری پر بل نہ آئے۔ عزاداران و صاحبان اولاد کا مجمع ہے۔ کلیجے پر ذرا اپنے ہاتھ رکھ کر دیکھو کہ کیا گذری ہو گی اس بیوہ ماں کے دل پر جس نے اپنے یتیم لختِ جگر کو کیسی کیسی مصیبتیں اٹھا کر تیرہ برس کا کیا ہو گا۔ آج وہ اپنے مسموم مرحوم شوہر کی نشانی جیتی جاگتی تصویر کو اپنے ہاتھ سے کفن پہنا کر قربان گاہ کو روانہ کر رہی ہے۔

آہ آہ مومنین راوی بیان کرتا ہے کہ ام فروہ یعنی والدہ ماجدہ جناب قاسم اپنے پر ارمان نونہال کو باپ کی پوشاک پہناتی جاتی تھیں اور رو رو کر کہتی جاتی تھیں۔ میرے راج دلارے میری آنکھوں کے تارے اس مانگ اجڑی ماں سے لئے کیا۔ اسی دن کے لئے تمہیں پال پوس کر اتنا بڑا کیا تھا کہ اپنے ہاتھوں سے کفنی پہناؤں۔ بیٹا یہ تمہاری دائی تو آج تک اسی امید پر جیتی تھی کہ تمہیں اپنے ہاتھ سے دولھا بناؤں گی۔ میری آنکھوں کے تارے میں تو اپنے ارمانوں سے بے تاب ہو کر کہتی تھی کہ ؎

حسرت ہے کہ سہرا رخ نوشاہ پہ دیکھوں
میں اپنی مسرت کو ترے بیاہ پہ دیکھوں

میرے گھر کے اجالے اب دنیا تیری ماں کی نظروں میں اندھیر ہو جائے گی۔ اے ماں کی جان تم مرنے کو جاتے ہو تو مجھ بدنصیب کو بھی کوئی جینے کی تدبیر بتاتے جاؤ۔ آہ

آہ! عزادارو!

ڈیوڑھی پہ یہ تقریر کھڑے سنتے تھے سرور … عباسؑ سے فرمایا کہ اے جان برادر
قاسم سے بھی لو ہم کو چھڑاتا ہے مقدر … اس جینے سے واللہ مری موت ہے بہتر
اب صبر ہو کیونکر دل مضطر ہمارے
بھائی کی بھی اولاد چلی گھر سے ہمارے

بس اتنے میں قدموں پہ گرا آن کے نوشاہ … کی عرض کہ مرنے کی رضا دیجئے للہ
لپٹا کے گلے سے اُسے شبیر نے کی آہ … فرمایا کہ دیتے ہو ہمیں صدمۂ جانکاہ
صد حیف چچا بے کس و مجبور ہے بیٹا
جاؤ یہی اللہ کو منظور ہے بیٹا

میں دیکھتا تھا تم کو جو یاد آتے تھے بھائی … گویا کہ ہوئی آج برادر سے جدائی
قسمت نے صد افسوس گھڑی یہ بھی دکھائی … تم مرنے چلے اور نہ ہماری اجل آئی
کیا جانتے تھے ہاتھ سے یوں کھوئیں گے تم کو
تم ہم کو نہ روؤ گے ہمیں روئیں گے تم کو

صدقے ہو چچا پاس تو آؤ مرے پیارے … بے تاب ہے دل گرد پھروں گا میں تمہارے
وہ پاؤں پہ عمو کے گرا شرم کے مارے … لپٹا کے کلیجے سے یہ تب شاہ پکارے
دے صبر الٰہی کہ قرار آئے جگر کو
امت پہ فدا کرتا ہوں بھائی کے پسر کو

یہ کہہ کے کیا چاک بھتیجے کا گریباں … فرمایا کفن ہے یہی پوشاک مری جاں
ماں ڈیوڑھی سے چلائی کہ اللہ نگہباں … زہرا کی صدا آئی کہ یہ بھی ہوا قرباں
افسوس کہ اب زندہ نہ یہ آئے گا بی بی
بیٹا مرا اب لاش ہی یاں لائے گا بی بی

ارے اولاد والو! اس مانگ اجڑی ماں سے کوکھ جلنے کی خبر سنی نہ گئی۔ دونوں ہاتھوں سے سر اپنا پیٹ لیا اور کھڑے قد سے پچھاڑ کھائی۔ حرم شاہ میں ادھر تو

کہرام بپا ہوا، اور ادھر دو بیوہ کا گیسوؤں والا پیارا ارمان آخری حسرت بھری نظر ڈال کر قربان گاہ کی طرف چلنے لگا، مگر اس قدر کمسن تھا وہ شہزادہ کہ ہر چند گھوڑے پر سوار نہ ہو سکا۔ اللہ اکبر ہماری جانیں قربان ہو جائیں اس صابر و شاکر پر جب نے اپنے بھائی کی تصویر کو گود میں لے کر سوار کیا اور قتل گاہ کی سمت روانہ کر دیا۔ القصہ

مرنے کی رضا مل گئی جب ابن حسنؑ کو　　اک عید ہوئی مرنے کی اس غنچہ دہن کو
شیرانہ چلا تیغ بکف خیمہ سے رن کو　　اعدا نے کہا دیکھ کے اس رشک چمن کو

نور حسنی چہرۂ زیبا سے عیاں ہے
ہم شوکت و ہم شان علیؑ بس یہ جواں ہے

حیران تھا لشکر یہ ملک ہے کہ بشر ہے　　گیسو ہے کہ ہالا ہے جبیں ہے کہ قمر ہے
یہ ابروؤں کی بیت ہے یا حسن کا گھر ہے　　پلکیں ہیں کہ سر پنجۂ شہبانہ نظر ہے

بس دیدۂ آہو بھی نگاہوں سے گرے ہیں
آنکھیں ہیں کہ دو شیر نیستاں میں کھڑے ہیں

دریا کی طرح فوج کو جنبش ہوئی اک بار　　تیغوں کی اٹھی موج میان صف کفار
ڈھالوں کا ہوا ابر سیہ رن میں نمودار　　بدلی جو ہوا تیر دسا کی پڑنے لگی بوچھار

جھپٹا وہ جری تیغ بکف اہل جفا میں
بجلی سی لگی کوندنے ڈھالوں کی گھٹا میں

سنتے یہ کہا ناز کہ رخ جنگ سے پھیرا　　چلائے کہ حلقہ میں ہمیں موت نے گھیرا
تھا غیظ سے نوشاہ کی آنکھوں میں اندھیرا　　نعرہ تھا کہ ہاں وار کوئی روکے تو میرا

اک برق اجل فوج ستمگار پہ آئی
تیغ آئی کہ آفت سر کفار پہ آئی

ہر چار پسر ازرق بے دین کے مارے　　بیساختہ خوش ہو کے یہ شبیرؑ پکارے
قربان میں جو اکبر دی پہ شبیرؑ کے پیارے　　ازرق کو بھی گر موت کے تو گھاٹ اتارے

غل قاف سے تا قاف ہوا اس نامور کا　　چاہیں ملک عرش سے پوتا ہے علیؑ کا

ازرق پہ کیا وار وہیں تیغ ظفر سے
بجلی سی چمک کر ادھر آئی جو اُدھر سے
مغفر کو جو کاٹا تو بڑھی کاسۂ سر سے
گردن بھی جدا سینہ سے اور سینہ کمر سے

کیا ہاتھ جفا کار پہ نوشاہ نے مارا
تھا شور کہ مرحب کو ید اللہ نے مارا

صد حیف مسرت وہ مبدل ہوئی ازغم
قاسم پہ اُدھر ٹوٹ پڑا لشکر اظلم
معلوم نہ تھا پیچھے گی جلدی صف ماتم
تیغوں میں گھرے برچھیاں چلنے لگیں پیہم

تیر آتے تھے سینے پہ کلیجے پہ جبیں پر
کٹ کٹ کے گرے پیچ عمامے کے زمیں پر

صاحبان مقاتل بیان کرتے ہیں کہ جب حیدر کرار کے پوتے نے ازرق شامی جیسے پہلوان کو مع اس کے چاروں بیٹوں کے واصل جہنم کیا تو تمام سپاہ میں اک کھلبلی پڑگئی اور ارادہ فرار ہونے کا کیا۔ اسوقت عمر سعد ملعون گھوڑا اپنا بڑھا کر آیا اور فوج بدبخت کو للکار کر کہا کہ حیف ہے تم بزدلوں پر کہ ایک کمسن بچے کے سامنے عاجز اور لپسا ہوئے جاتے ہو۔ اسی پر مجھ سے انعام و اکرام کی آرزوئیں رکھتے ہو۔ میں حاکم شام کو تمہاری بزدلی کا حال تحریر کرتا ہوں۔ حضرات! یہ سننا تھا کہ وہ بیدین مجتمع ہو کر اس تین دن کے بھوکے پیاسے کمسن مظلوم پر ٹوٹ پڑے اور بدن اس بچے کا تیغ و تبر و تیر سے چھلنی کر دیا۔

آہ آہ! عزادارو گریبان اپنے چاک کرو اور پرسہ دو جناب سیدۂ عالم کو اُن کے مظلوم اور کشتۂ جفا پوتے کا جسکا تن اطہر ملاعین نے تیغ ستم سے ٹکڑے کر کے کربلا کی جلتی ہوئی ریتی پر ڈال دیا۔ تو حضرات کیا حال تھا آپ کے شہزادے کا اسوقت کہ

زخموں کا لگا خون رگا بوں سے ٹپکنے
پانی کے لئے روح لگی تن میں پھڑکنے
طاقت گئی لڑنے کی لگا ہاتھ بہکنے
مڑ مڑ کے سوئے خیمہ لگے یاس سے تکنے

سینہ پہ سناں اگر زلگا کاسۂ سر پر

تیورا کے جھکے تھے کہ پڑی تیغ کمر پر

عمو کو صدا دی کہ چچا جان خبر لو
دُنیا میں کوئی دم کا ہے مہمان خبر لو
ہوتا ہے غلام آپ پہ قربان خبر لو
پہنچا ہے دم آخر مرا اس آن خبر لو

ذرّیت حیدر کی یہ توقیر ہوئی ہے
پامال ہمیں کرنے کی تدبیر ہوئی ہے

اعدا کو سمجھ کر جو لگے ڈھونڈنے سرور
گھوڑوں کا پڑا پاؤں زگرتا تھا زمیں پر
پامال ملے قاسم رنجور سراسر
رو کر پسر فاطمہ نے پیٹ لیا سر

روتے ہوئے بس وہ تن صد پاش سے لپٹے
چلا کے حسینؑ ابن علیؑ لاش سے لپٹے

رو کر کہا صدقہ ہو چچا منھ سے تو بولو
بیٹا میں تڑپتا ہوں ذرا منھ سے تو بولو
کیا حال ہے اے ماہ لقا منھ سے تو بولو
گر اٹھ نہیں سکتے ہو فدا منھ سے تو بولو

مادر کو بڑا داغ دیئے جاتے ہو بیٹا
سب حسرتیں دل میں ہی لیئے جاتے ہو بیٹا

یہ کہتے تھے جو موت کی ہچکی انھیں آئی
مخدومۂ عالم نے یہ آواز سنائی
منھ کھول کے حضرت کو زباں خشک دکھائی
میں ساغر کوثر تیرے واسطے لائی

پی لے اسے اے لعل کہ تر خشک گلا ہو
دادی ترے سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ فدا ہو

لب بند کئے قاسم نوشاہ نے اکبار
دنیا سے سفر کر گیا پیاسا ہی وہ دلدار
یعنی نہ پیوں گا ہیں پیاسے شہ ابرار
لاش اس کی چلے لے کے شہ بیکس و ناچار

ڈیوڑھی پہ جو پہنچے تو کہا رو کے یہ سب سے
لو مر گئے ارمان تھا جنھیں مرنے کا سب سے

اک شور بپا ہو گیا واں خیمہ کے اوپر
فرزند کے لاشے سے لپٹنے لگی مادر
بانوؑ نے کہا لٹ گئی لوگو مری دختر
سر پیٹتی دوڑی شہ مظلوم کی خواہر

سب پیٹتے روتے ہوئے باہر نکل آئے
سر پہ سے حرم پھینک کے چادر نکل آئے

مجلس نہم

آئینۂ تصویر ید اللہ تھے عباسؑ عالم کے سخاوت کے شہنشاہ تھے عباسؑ

شہادت جناب حضرت عباسؑ

احادیث میں وارد ہے کہ فرمایا جناب رسولِ خدا نے کہ علیؑ میرے بھائی تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو موسیٰ کو ہارون سے تھی۔ میرا دِل تم سے قوی ہے۔ اور بازو میرے طاقتور ہیں۔" فی الحقیقت مومنین بھائی سے بھائی کو بڑی ڈھارس ہوتی ہے۔ پیغمبروں اور نبیوں نے درگاہ رب العزت میں دست دعا بلند فرمائے ہیں۔ اور بھائی کا سوال کیا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ نے بھی اپنے بھائی کے لئے خداوند عالم سے عرض کیا ہے کہ میرے بھائی کو میرا مددگار بنا اور زبان کی گرہ بھی میری کھول دے۔ حبیب خدا بھی اپنے ابن عم جناب علیؑ مرتضیٰ جیسے بھائی پر فخر و مباہات فرماتے تھے۔

مظلوم کربلا کو پروردگار عالم نے دو بھائی مرحمت فرمائے اور دونوں اپنی نظیر آپ ہی تھے۔ جناب حسنؑ مجتبیٰ نے اس قسم کی سرپرستی فرمائی کہ اس شہزادے کو یتیمی کا احساس نہ ہونے پایا اور اپنے بیٹے کے بازو پر وصیت بصورت تعویذ باندھ کر خلد بریں کو تشریف لے گئے۔ کہ جب میرے دِل کے چین بھائی حسینؑ پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑے تو تم اپنی جان کو اُن پر سے قربان کر دینا۔

اسیطرح جناب عباسؑ نے حق وفاداری ادا کیا۔ اپنے آقا اور بھائی سیدالشہداءؑ کے ساتھ آپ سائے کی طرح رہتے تھے۔ اور ان کے پسینے پر اپنا خون گرا دینا اپنا مقصدِ حیات و شرف زندگی تصور فرماتے تھے۔ اللہ اکبر! جناب عباسؑ کا رعب اور دبدبہ

بڑے سے بڑے پہلوان کا پتہ دیکھ کر رد سے پر جلال عباس علمدار کا پانی پانی ہوتا تھا۔ بہتر سے بہتر شجاعان عرب ہیبت وجلال سے ان کی مثال بید کانپتے تھے۔ ؎

سلطانِ سریر حشم وجاہ ہیں عباسؑ
عالم کے شجاعوں کے شہنشاہ ہیں عباسؑ
آئینۂ تصویر ید اللہ ہیں عباسؑ
شبیرؑ تو خورشید ہیں اور ماہ ہیں عباسؑ

اقبال وجلال ان کو زمانے پہ جلی ہیں
وہ نورِ محمدؐ ہیں تو یہ نورِ علیؑ ہیں

خورشید منیر فلک نور ہیں عباسؑ
مصباح شبستانِ سرِ طور ہیں عباسؑ
حیدرؑ کی طرح صاحب مقدور ہیں عباسؑ
سقائے حرم خلق میں مشہور ہیں عباسؑ

لاکھوں ہوں تو خوف اس کو سر رزم نہیں ہے
ایسا کوئی عالم میں اولوالعزم نہیں ہے

شمشادِ خیابانِ ارم ہے وہ بہشتی
تاجِ سرِ ارباب ہمم ہے وہ بہشتی
سقائے یتیمانِ حرم ہے وہ بہشتی
پیاسا ہے مگر بحر کرم ہے وہ بہشتی

شرمندہ ہے نیساں شہ مرداں کے پسر سے
پھر دیتے ہیں دریا کے بھی داماں کو گہر سے

تو حضرات جناب امام حسین علیہ السلام اپنے پروانہ صفت بھائی پر اسی طرح فخر ومباہات فرماتے تھے جسطرح ان کے جد بزرگوار جناب رسولخدا اپنے بھائی علیؑ پر فرماتے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ عباسؑ علمدار مدینہ سے ہمراہ اپنے برادر مکرم سید الشہداؑ کے مثل سایہ کے تھے اور ایک پل بھی خدمت اقدس سے اپنے برادر عالیمقدار کی جدا نہ ہوتے تھے۔ یہانتک کہ حضرت نے کربلا کی سرزمین پر قیام فرمایا۔ اور آٹھویں محرم سے ملعون بے دینوں نے خیمے امام مظلوم کے لب فرات سے ہٹا دیئے تھے اور پانی کا ایک قطرہ دریا سے نہ لینے دیتے تھے۔ اسوقت جناب عباسؑ غصہ سے ہونٹ اپنے چباتے تھے۔ مگر جب غیض میں تلوار لے کر روانہ ہونے کا قصد فرماتے تو آپ کے صابر وشاکر امام بازو ان کا ستھام لیتے تھے اور فرماتے تھے اے جانِ برادر اس نازک وقت میں جبکہ فوج جفاکار نے مجھے نرغہ میں گھیر لیا ہے۔ تمہاری ایک پل کی جدائی مجھے گوارا نہیں

پس علمدار حسینؑ تعمیل میں اپنے آقا کی سر جھکا کر رہ جاتا۔ مگر مومنین! روز عاشورہ جب ننھے ننھے بچے اجازت لے کر میدان جنگ کو جاتے اور اپنے آقائے نامدار پر سے قربان ہوتے تھے تو یہ دیکھ کر حالت جناب عباسؑ کی غیر ہوئی جاتی تھی۔ رو رو کے امام مظلوم سے فرماتے تھے اے میرے سردار! معصوم شہزادے میری آنکھوں کے سامنے میدان جنگ میں جا جا کر آپ پر سے قربان ہو رہے ہیں۔ اور آقائے نامدار یہ غلام آپ کا حسرت سے کھڑا تک رہا ہے حضور! اب شرم و خجالت سے آنکھ میری اونچی نہیں ہوتی۔ اس بندۂ حلقہ بگوش کو اذن وغا فرما کر جلا لیجئے۔ یہ کہکر دونوں ہاتھ جوڑ کر سر اپنا جھکا لیا اور زار زار رونے لگے۔ سید بیکس یہ حال دیکھ کر بے قرار ہو گئے۔ بھائی کو اپنے سینے سے لگا کر دیر تک روتے رہے۔ پھر فرمایا اے جان برادر! خدارا تم مرنے کی اجازت ہم سے نہ مانگو۔ بھیا کمر حسینؑ کی ٹوٹ جائے گی۔ اور دنیا اس کی نظروں میں اندھیر ہو جائے گی۔ بھائیوں میں یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی۔ کہ ؎

ناگاہ درِ خیمہ سے فضہ یہ پکاری — غش ہو گئی ہے پیاس سے پھر آپ کی پیاری
گہوارہ میں اصغر بھی سسکتا ہے بیچارہ — عباسؑ کو بھیجو کہ حرم کرتے ہیں زاری
رانڈوں میں دہائی ہے رسول دوسرا کی
اب گھر سے نکلتی ہے بہو شیر خدا کی

فضہ کی صدا سنتے ہی میداں سے پھرے شاہ — روتے ہوئے عباسؑ گئے بھائی کے ہمراہ
خیمے میں وہ منظر تھا العظمۃ للہ — پانی کا ادھر شور ادھر ماتم نوشاہ
جھولے کے قریں غش میں سکینہ تو پڑی تھی
بچے کو لئے بانوئے ناشاد کھڑی تھی

دونوں کی طرف دیکھ کے روئے شہ ابرار — آواز پدر سن کے سکینہ ہوئی ہشیار
کی چھاتی سے لپٹا کے یہ عباسؑ نے گفتار — قربان تری پیاس کے میں اے جگر افگار
سوکھے ہوئے ہونٹوں کو نہ دکھلاؤ سکینہ
جاؤ مری تم مشک تو لے آؤ سکینہ

یہ سنتے ہی سوکھی ہوئی اک مشک وہ لائی — سب سمجھے کہ مرنے کو چلا شہ کا فدائی

روتی ہوئی زینبؑ بھی قریں شاہ کے آئی　　حضرت نے کہا بھائی سے ہوتی ہے جدائی

مرنے کو وہ جاتے ہیں جو گودی میں پلے ہیں
پانی کے بہانے سے یہ کوثر کو چلے ہیں

رو کر یہ سکینہؑ نے کہا واہ چچا جان!　　اس عزم سے اب میں ہوئی آگاہ چچا جان
مرنے کو چلے تم بھی مرے آہ چچا جان!　　رکھ دیجے یہیں مشک کو للہ چچا جان

گو پیاس سے اب صبر کا یارا نہیں مجھ کو
تم مرنے کو جاؤ، یہ گوارا نہیں مجھ کو

عباسؑ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہ جانی　　بی بی کے پلانے کے لئے لاتے ہیں پانی
رُکنے کے نہیں لاکھ ہوں گر ظلم کے بانی　　کیا دل سے بھلا دینگے تری تشنہ دہانی

بے مشک بھرے نہر سے آئیں تو قسم لو
دریا سے ہم آگے کہیں جائیں تو قسم لو

چپ ہوگئی یہ سُن کے سکینہ جگر افگار　　عباسؑ لگانے لگے پھر جنگ کے ہتھیار
بھائی کے گلے مِل کے جو روئے شہ ابرار　　تھرّانے لگی زوجۂ عباسؑ علمدار

چادر نہ سنبھلتی تھی جگر سینے میں شق تھا
فرزند تو تھا گود میں منھ چاند سا فق تھا

پھر مشک و علم لے کے چلے حضرت عباسؑ　　اک آہ بھری شہ نے انھیں دیکھا بصد یاس
سر کھولے ہوئے روتی تھیں رانڈیں بھی جو تھیں پاس　　چلّاتے تھے شہ اب ہوئے ہم بیکس و بے آس

تا زیست یہ اب دردِ جدائی نہیں جاتا
دُنیا سے علیؑ جاتے ہیں بھائی نہیں جاتا

غل تھا کہ علمدار خدا حافظ و ناصر　　شبیرؑ کے غمخوار خدا حافظ و ناصر
اے بےکس و بےیار خدا حافظ و ناصر　　سیّد کے مددگار خدا حافظ و ناصر

دریا سے بھری مشک کو لاتے ہوئے دیکھیں
خیمے میں سلامت تمہیں آتے ہوئے دیکھیں

سرا

القصہ مومنین بھائی کا فدائی شیر کی مانند جانب نہر فرات روانہ ہوا۔ سید الشہداء پیچھے پیچھے حسرت بھری نظروں سے اپنے شیدائی کو دیکھتے جاتے تھے اور زار زار روتے جاتے تھے۔ کبھی بصد یاس آسمان کی طرف منہ کر کے فرماتے تھے۔ اے رب العزت حسینؑ تیری جناب میں ایسی قربانی پیش کر رہا ہے جسکے بعد اس کے بازو ضعیف ہو جائیں گے اور کمر اس کی ٹوٹ جائے گی۔ دنیا اس کی نظروں میں اندھیر ہو جائے گی۔ اے بارالٰہا تو مجھے اس شیدا بھائی کی جدائی برداشت کرنے کی ہمت دے کہ میرا دل بیٹھا جاتا ہے اور کلیجہ میرا منہ کو آیا جاتا ہے۔ ادھر جناب عباسؑ علمدار پر اس قدر شاق تھی جدائی اپنے بیکس و مظلوم بھائی کی کہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ القصہ حضرات! ؎

گھوڑے پہ چڑھے حضرت عباسؑ فلک جاہ
جاسوس نے دی جا کے خبر شمر کو ناگاہ
روح اسد اللہ چلی شیر کے ہمراہ
آتا ہے بڑا شیر دلاور سوئے جنگاہ
اس جیسا جواں غرب سے تا شرق نہیں ہے
حیدر میں اور اس میں سر مو فرق نہیں ہے

مجرے کو بہادر کے جلال و حشم آئے
ہاتھوں پہ فدا ہونے کو فیض و کرم آئے
لینے کو فرشتے بھی مبارک قدم آئے
غیظ و غضب و قہر و تہوّر بہم آئے
چوما ظفر و فتح نے دامان علم کو
اقبال نے ہاتھوں کو شجاعت نے قدم کو

جرأت کو یہ تھا فخر کہ ہمراہ ہوں میں بھی
صولت یہ پکاری کہ فلک جاہ ہوں میں بھی
ہمت کا سخن تھا کہ ہوا خواہ ہوں میں بھی
شوکت نے کہا خادم درگاہ ہوں میں بھی
کہتا تھا حشم وجد ہوا جاتا ہے طاری
عزت نے کہا چمکی ہے تقدیر ہماری

اک آفت تو لشکر سفاک پہ آئی
گہ فرق پہ چمکی کبھی فتراک پہ آئی
جس صف پہ گری تیغ وہ صف خاک پہ آئی
وہ ہو گیا جس ظالم ناپاک پہ آئی
ہر صف کا یہ احوال تھا اس تیغ دو دم سے

جسطرح کوئی کاٹ دے سطروں کو قلم سے

لڑتا ہوا پہنچا لب دریا جو وہ جرّار — تھا دوش مبارک پہ علم ہاتھ میں تلوار
کہنی سے ٹپکتا تھا لہو خاک پہ ہر بار — چھیڑا جو ذرا اڑ کے گیا نہر میں رہوار

دِل کھل گیا آئی جو ہوا سرد تری کی
تر ہو گئی چھینٹوں سے زرہ جسم جری کی

گو پیاس سے تڑپا دِل عبّاسِ خوشِ اطوار — بھولے نہ مگر تشنگیِ سیّدِ ابرار
رہوار بھی عبّاس کا تھا کیسا وفادار — پانی سے اٹھائے رہا منھ اپنا وہ رہوار

سمجھا کہ خجل ہوں گا بہت پیاس بجھا کے
ہمت اِسے کہتے ہیں یہ معنی ہیں وفا کے

راوی بیان کرتا ہے کہ جناب عباسؑ نے ہر چند باگ گھوڑے کی ڈھیلی کی لیکن اس نے اپنا منھ پانی سے اٹھائے رکھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو پیہم جاری تھے۔ الغرض مومنین یہ سقائے سکینہ مشک اپنی پانی سے بھر کر نہر سے باہر نکلا۔ اور رخ خیمہ کا کر کے گھوڑے کو ایڑ دی اور فوج اعدا سے للکار کر پکارے کہ اے ہوا و ہوس میں غرق شدہ درندو طمع و لالچ نے تمہیں اندھا اور بہرہ بنا دیا ہے۔ یہ ایک مشکیزۂ آب اِس بہتے دریا میں سے ان ننھے ننھے معصوموں کے لئے بھرے لئے جاتا ہوں جو تین شبانہ روز سے ایک قطرۂ آب کو ترس رہے ہیں۔ اور اب حالت اُن کی غیر ہوئی جاتی ہے غش پر غش چلے آتے ہیں۔ تو مومنین!

یہ کہکے چلے نہر سے عباسؑ فلک جاہ — جاری تھا زباں پر کہ توکّلت علی اللہ
دریا کی صفت آئے امنڈتے ہوئے روباہ — غُل تھا کہ بہادر کو نکلنے کی نہ دو راہ

رستہ نہ ملے گا تو کدھر جائیں گے عباسؑ
خود ڈوب کے اِس نہر میں مر جائیں گے عباسؑ

لڑتا ہوا اعدا سے وہ صفدر نکل آیا — بادل کو ہٹا کر مہ انور نکل آیا
سقائے حرم نہر سے باہر نکل آیا — دریائے شجاعت کا شناور نکل آیا

ڈرتے کسی روباہ سے ضیغم کو نہ روکا
تلوار اٹھا کر کہا کیوں ہم کو نہ روکا

یہ سن کے لعینوں نے علمدار کو گھیرا
جو بھاگے تھے ان لوگوں نے بھی باگ کو پھیرا
وہ چاند تو تھا بیچ میں اور گرد اندھیرا
عباس یہ کہتے تھے کہ اللہ ہے میرا

تلواروں سے تیروں کو قلم کرتے تھے عباسؑ
پڑھ پڑھ کے دعا مشک پہ دم کرتے تھے عباسؑ

لکھا ہے کہ اک تھا ابن ورقہ ستم آرا
یک دست ہوا حیدرِ کرار کا پیارا
تیغ اس کی لگی دوش مبارک پہ قضا را
صد حیف نشاں خون میں تر ہو گیا سارا

اس دوش پہ بھی تیغ چلی ایک شقی کی
بے دست ہوئی ہائے وہ تصویر علیؑ کی

مشکیزہ کو دندان مبارک سے لیا تھام
جب تیر کوئی آتا تو جھکتے تھے خوش اندام
گرنے کے قریں ہوتے تھے صد حیف وہ ہر گام
معلوم تھا ہر چند کہ کیا ہوئے گا انجام

وہ ہو کے رہا تیر لگا مشک پہ آ کر
اک آہ علمدار نے کی اشک بہا کر

مومنین آہ آہ! جب مشکیزے پر تیر لگنے سے پانی بہہ گیا تو اس بیکس سقائے حرم نے عجیب حسرت سے خیمہ کی طرف نگاہ کی۔ اور گردن جھکا کر زار زار رونے لگے۔ فوج جفاکار میں سے ایک شقی ازلی نے موقعہ پا کر عقب سے ایک گرز سر اقدس پر ایسا مارا کہ فرق اطہر وہ پارا ہو گیا۔ ہر چند کہ اس حسینی شیر نے کوشش سنبھلنے کی فرمائی۔ مگر حضرت عباس مظلوم سے سنبھلا نہ گیا۔ ادھر تشنگی کی شدت سے خیمۂ اہل حرم سے برابر صدائیں العطش العطش کی بلند تھیں۔ امام مظلوم ان ننھے ننھے بچوں کو دلاسا تسلی دینے میں مصروف تھے۔ جناب سکینہ ننھے ننھے ہاتھ جوڑ کر فرماتی تھیں۔ بابا میں اب کبھی پانی نہیں مانگوں گی۔ اچھی میرے عمو کو ابھی بلوا دیجئے۔ کہ دل میرا خود بخود بھر آتا ہے امام مظلوم رو کر فرماتے تھے کہ جانِ پدر، بابا تیرا ابھی دریا سے انھیں لینے جاتا ہے

یہ ذکر تھا جو شور اٹھا فوج سے اک بار
لو خاک پہ گھوڑے سے گرا شہ کا علمدار
اب پائیں گے شبیر کہاں ایسا مددگار
مارا اسے کیا قتل ہوئے حیدر کرار
کم ہو گیا اب زور امام ازلی کا
ہاں کاٹ لو سر حضرت عباس علیؑ کا

اس شور کے ساتھ آئی صدا طبل و ظفر کی
فضہ نے ادھر دوڑ کے خیمہ میں خبر کی
اُٹھے شہ دیں دیکھ کے صورت کو پسر کی
پر سوجھتی تھی راہ ادھر کی نہ اُدھر کی
دنیا ہوئی اندھیر شہ دیں کی نظر میں
آنسو تھے رواں ہوک سی اٹھتی تھی جگر میں

میداں میں عجب حال سے پہنچے شہ ذیجاہ
آنسو رخ انور پہ رواں کرتے تھے وہ آہ
فاقے پہ کئی روز کے یہ صدمۂ جانکاہ
نے پاؤں میں طاقت تھی نہ کچھ سوجھتی تھی راہ
خود صبر کے ہاتھوں سے کمر تھامے ہوئے تھے
ہمشکل نبی دست پدر تھامے ہوئے تھے

اکبر نے کہا رو کے یہی تو ہے ترائی
شبیر پکارے مرے بھائی مرے بھائی
عباس نے آواز حزیں اپنی سنائی
گھبرائیں نہ مولا ابھی زندہ ہے فدائی
بازو ہیں جدا بہر سلام اٹھ نہیں سکتا
تن چور ہے ایسا کہ غلام اٹھ نہیں سکتا

شبیر نے رو کر کہا قربان برادر
طاقت مری پیری کے مری جان برادر
تصویر پدر اے مرے ذیشان برادر
اے میرے مسافر مرے مہمان برادر
کیا بھول گئے طفلی کے اقرار کو بھائی
چھوڑا ہمیں بس دیکھ لیا پیار کو بھائی

شاہ شہدا بھائی علمدار سے لپٹے
کس شوق سے کس یاس سے کس پیار سے لپٹے
غمخوار سے عاشق سے مددگار سے لپٹے
زخمی سے مسافر سے وفادار سے لپٹے
یہ جوش تھا رقت کا شہ جن و بشر کو

جسطرح کہ روتا ہے کوئی باپ پسر کو

چلاتے تھے اے بھائی کی پیری کی سہارے
اے شیر نیستاں یار وفادار ہمارے
اے میری سکینہ کے چچا جان پیارے
اب ختم ہیں جینے کے مزے ختم ہیں سارے

کیا بالی سکینہ سے کہوں یہ تو بتا دو
اک بار تو بھیا مجھے آواز سنا دو

سنکے علمدار کے آنسو ہوئے جاری
سوکھی تھی زباں تن کی رگیں کھنچی تھیں ساری
شہ نے کہا کیوں روتے ہو فرقت پہ ہماری
بولا نہ گیا کچھ پہ کراہے کئی باری

بوسے قدم شاہ پہ دینے لگے عباسؑ
صدمہ جو ہوا ہچکیاں لینے لگے عباسؑ

کیا دم کے نکلنے کا بھی تھا صدمۂ جانکاہ
کانپے کبھی کروٹ کبھی لی اور کبھی کی آہ
ایک بار عجب یاس سے دیکھا طرف شاہ
بولے دم آخر کہ فدائے شہ ذی جاہ

روتے رہے شبیر سفر کر گیا بھائی
سر بھائی کے زانو پہ رکھے مر گیا بھائی

آہ! آہ! مومنین! ذرا تصور کیجئے اس دل ہلا دینے والے منظر کا آپ کے مظلوم امام پر کیا گذری ہو گی۔

بھائی کے آگے بھائی تڑپ کر جو مر گیا
خنجر الم کا دل سے جگر تک اتر گیا
صدمہ غضب کا سبط نبی پر گذر گیا
بھائی جوان بھائی کو بے آس کر گیا

لیتے تھے بوسے جھک کے تن پاش پاش کے
اٹھ اٹھ کے گرد پھرتے تھے بھائی کی لاش کے

جھک کر پکارتے تھے کہ بھیا صدا سناؤ
زینب تمہیں بلاتی ہیں خیمہ کے در پہ جاؤ
دیکھو تو اٹھ کے زانو سے گردن ذرا اٹھاؤ
کب سے بلا رہی ہے سکینہ کو دیکھ آؤ

ہے لاڈلی تمہاری وہ اس کو گلا نہ ہو
دریا پہ سو رہے ہو سکینہ خفا نہ ہو

اتنا کہہ کر مظلوم کربلا کو تاب نہ رہی بھائی کی لاش سے لپٹ کر اسقدر روئے کہ غش آگیا۔

مجلس دہم

کیا پس کھا نا کا حسین ابن علی کو رحمت پہ خدا کر دیا ہشکل نبی کو

در بیان شہادت ہمشکل پیمبر جناب علی اکبر

تفاسیر قرآن مجید میں تحریر ہے کہ جناب یعقوب حالانکہ علم لدنی کی مدد سے جو پروردگار عالم کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ واقف تھے کہ ان کے نور نظر لخت جگر جناب یوسف زندہ اور سلامت ہیں اور ان سے کچھ عرصہ بعد ملاقات بھی ہوگی۔ مگر صرف فراق عارضی اپنے بیٹے کا برداشت نہ ہو سکا۔ باوجودیکہ وہ ایک اولوالعزم پیغمبر تھے۔ صاحبان تفسیر لکھتے ہیں کہ جناب یعقوب اس قدر روئے مفارقت میں اپنے بیٹے یوسف کی کہ بینائی اُن کی آنکھوں کی جاتی رہی۔ یہ حال تھا۔ لکھا ہے اس نبی خدا کا جدائی میں فرزند کی

پیراہن یوسف کبھی آنکھوں سے لگاتے
کرتے کی کبھی سونگھ کے بُو اشک بہاتے
رو رو کے یہ فرماتے جو کپڑے نظر آتے
پوشاک یہ جس کی ہے اُسے ہم نہیں پاتے

دل آب ہوا جاتا تھا فرزند کے غم میں
بیٹا تو کنوئیں میں تھا پدر چاہ الم میں

جاتے تھے عصا تھامے ہوئے شہر میں گھر گھر
بیٹھے کو کھڑے روتے تھے وہ راہ میں اکثر
جو راہ میں ملتا تھا تو کہتے تھے یہ رو کر
گم ہو گیا ملتا نہیں یوسف مرا دلبر

اب جان نکلتی ہے جلا دے مجھے کوئی
فرزند سے للہ ملا دے مجھے کوئی

ہر بات پہ رو کر کف افسوس کو ملتے
ہر گام پہ بسمل کی طرح گر کے سنبھلتے
آنسو صفت خون تھے رخسارہ پہ ڈھلتے
گہہ ضعف سے گرتے کبھی اٹھتے کبھی چلتے

جب شہر میں پاتے نہ تھے اس رشک قمر کو
صحرا کی طرف ڈھونڈنے جاتے تھے پسر کو

لیکن اولاد والو ذرا کلیجے پر اپنے ہاتھ رکھ کر اندازہ لگاؤ کہ اس بے کس ولاچار باپ پہ روز عاشور کیا گذر گئی ہوگی جس نے اپنی آنکھوں سے اپنے کڑیل جوان ہم شکل نبی کو اس حال میں دیکھا ہوگا کہ برچھی سینے کے پار ہے۔ زخموں سے بدن چور چور ہے۔ تین دن کا پیاسا خشک زبان باپ کو دکھا دکھا کر ریتی پہ پڑا دم توڑ رہا ہے۔ اور ساقیٔ کوثر کے فرزند کو امت محمدی نے اس قدر لاچار اور مجبور کر دیا ہو کہ بجز اشکوں کے وہ اپنے جاں لب مجروح فرزند کے لب تر نہ کر سکا۔ کاش! جناب یعقوب دلبند رسالت کو دیکھتے۔ اس عالم میں کہ کربلا کی جلتی ہوئی ریتی پر روز عاشورا اپنے جاں بلب مجروح فرزند کے تین دن کے خشک لب جام صبر سے تر کر رہا ہے۔ اے مومنین جام صبر ان کا لبریز ہو کر چھلک جاتا ہے۔ اللہ اکبر! مومنین ہماری اور ہمارے ماں باپ کی جانیں فدا ہو جائیں۔ سید الصابرین کے لبہائے مبارک کی اس جنبش پر جو ایسے قیامت خیز وقت میں بخشش امت کے لئے ہوئی۔ پروردگار عالم آپ حضرات کی یا سعادت ٹھنڈی رکھے۔ کڑیل جوان اولاد کے داغ کا درد عزادارو۔ وہی خوب محسوس کر سکتا ہے جس کے قلب و جگر اس داغ سے برس رہے ہوں۔ اور رہ رہ کر کلیجہ میں ایک ہوک سی اٹھتی ہو۔

دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ	دل کو فگار کرتا ہے لخت جگر کا داغ
آنکھوں کا نور کھوتا ہے نور نظر کا داغ	مرنا جوان بیٹے کا ہے عمر بھر کا داغ

یہ حال ابن فاطمہؑ کے دل سے پوچھئے
زخم جگر کے درد کو گھائل سے پوچھئے

چنانچہ منقول ہے کہ جب سقائے حرم یعنی عباسؑ علمدار لب فرات شہید ہو گئے تو فوج شام میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ حضرات وہ ملاعین پکار پکار کر کہتے تھے۔ کہ اب فرزند رسول قطعی بیعت یزید کے ہاتھ پر فرمائیں گے۔ کیونکہ زور اب حسینؑ مظلوم کا ڈھے گیا۔ اور جس دم پر دل شیر تھا وہ دم ہی نہ رہا۔ مگر اب شہ مشرقین کی بالکل لوٹ گئی حضرات! یہ کلام پر تشنیع ان بے دینوں کا سنکر شہزادۂ علی اکبرؑ کو تاب نہ رہی۔ زار زار روتے ہوئے اپنی مادر گرامی کے پاس تشریف لائے۔ منہ غصہ سے سرخ تھا اور جسم

بید کی مثال کانپ رہا تھا۔ ماں نے جو اپنے لخت جگر کو اس عالم میں دیکھا بیتاب و بے قرار ہو گئیں۔ کلیجے سے لگا لیا۔ اور رو رو کر سبب اس اضطراب و جلال کا دریافت فرمانے لگیں۔ حضرت علی اکبرؑ نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ اے مادر مہربان اب سخنان درشت و طعن آمیز ان ستمگاروں کے سنے نہیں جاتے۔ اماں جان ملاعین سیہ بخت پکار پکار کر مبارز طلبی کرتے ہیں اور ہنس ہنس کر کہتے ہیں کہ وہ جانبازِ حسینؑ ہی نہ رہا۔

جس سرو سے تھی رونق گلزار شجاعت
دکھلا گیا وہ شیر جو تھے کار شجاعت
چہرے سے عیاں ہوتے تھے آثار شجاعت
اب سرد ہوئی گرمی بازار شجاعت
جس پر تھا نشہ دیں کو بہت ناز کہاں ہے
اب فوج حسینی کا وہ جانباز کہاں ہے

کیا دیر ہے اب گھیر کے شبیر کو مارو
جو بھاگے ہیں عباس سے ان کو بھی پکارو
ہاں ابن ید اللہ کا سر تن سے اتارو
بیکس پہ چڑھائی کا یہی وقت ہے یارو
عباس کو مارا انھیں بے سر نہیں کرتے
سب کھینچ کے تیغیں یہ مہم سر نہیں کرتے

فرزند پیمبر کا گلا کاٹتے جاؤ
ہاں قبر میں خاتون قیامت کو رلاؤ
شمع لحد شیر الٰہی کو بجھاؤ
روکے گا کوئی تم کو یہ خاطر میں نہ لاؤ
بے یار و مددگار شہنشاہ امم ہیں
بے ساختہ منہ سے مرے نکلا ابھی ہم ہیں

رونے لگا یہ کہہ کے وہ بانو کا پیارا
ماں باپ کی پیری کا پسر گو ہے سہارا
محجوب نہ اعدا سے کریں آپ خدارا
عزت پہ بنی اب تو نہیں ضبط کا یارا
مرنے کی رضا اِن کے دلا دیجئے اماں
جاں تن سے چلی میری جلا دیجئے اماں

بانو نے کہا مجھ کو نہ بہلاؤ بلالوں
کھودوں تجھے اٹھارہ برس تک جسے پالوں
وہم آتا ہے مرنے کا سخن کیسے نکالوں
میں دل کو سنبھالوں کہ کلیجے کو سنبھالوں

جیتی ہوں کہ سہرا رخ نوشاہ پہ دیکھوں
میں اپنی مسرت کو ترے بیاہ پہ دیکھوں

ماں اور وہ خود دولت اولاد کو کھوئے
خود زندہ رہے لال بسر قبر میں سوئے
اکبر نے کہا حشر بپا خیمہ میں ہوئے
تم روؤ نہ بیٹے کو مگر فاطمہؑ روئے

عترت کا نبی کی تو یہ دستور نہیں ہے
قرباں ہوں میں عزت پہ یہ منظور نہیں ہے؟

اکبر نے جو رو رو کے یہ کی باتوں سے تقریر
منہ دیکھ کے چپ رہ گئی اور دل پہ لگا تیر
پھر رو کے کہا پھوٹ گئی ماں کی تو تقدیر
بچنے کی جواں بیٹے کے کوئی نہیں تدبیر

اے کاش کہ میں صاحب اولاد نہ ہوتی
تم ہوتے مگر بانوئے ناشاد نہ ہوتی

پھر بانو نے زینبؑ سے کہا اے مری ہمشیر
سنتی ہو ذرا گیسوؤں والے کی بھی تقریر
ہر بات پہ کلیجے کے لئے ہے مرے اک تیر
میں کیا کروں کچھ بن نہیں آتی مجھے تدبیر

بس آپ ہی بابا سے انھیں جا کے ملا دیں
وہ چاہیں اگر شوق سے مرنے کی رضا دیں

یہ سن کے پھپھی پیٹ کے سر اپنا پکاری
خیمہ سے نہ بھیجوں گی کہیں میں تمھیں واری
اللہ نہ کرے رن کو تری جائے سواری
زندہ نہ تجھے چھوڑے گا یہ فرقۂ ناری

گر قصد کیا جانے کا ساتھ آئے گی زینبؑ
دم بھر نہ تمھیں دیکھا تو مر جائے گی زینبؑ

الغرض عزادارو! جناب زینبؑ اپنے بھتیجے سے یہ فرما رہی تھیں کہ امام مظلوم خیمہ میں تشریف لائے۔ باپ کے نازوں کا پالا بابا کے قدموں پر گر کر مثل ماہیٔ بے آب تڑپنے اور رو رو کر اذن وغا طلب کرتا تھا۔ یہ دیکھ کر جناب بانو اور حضرت زینبؑ قریب تشریف لائیں۔ خواہر شبیرؑ سے ضبط نہ ہو سکا بھائی کے گلے سے لپٹ کر رونے لگیں اور فرماتی تھیں بھیا! کیا میرے اس نازوں کے پالے گیسوؤں والے کو رن میں جانے کی اجازت دیں گے؟

ماں جائے اس کو کھو چلی کا یہ تو آخری سہارا اور میرے نانا کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ یہ کہکر زینبؑ مظلوم اسقدر روئیں کہ ہچکی بندھ گئی۔ سیدالشہداء کی بھی اس وقت عجیب حالت تھی۔ دل ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا۔ اٹھارہ برس کی کمائی لٹنے کا منظر آنکھوں کے سامنے تھا مگر صبر امامت سے کام لیکر فرمایا کہ بھائی کی پرواہ بہن طفلی میں جو محضر نامہ نانا نے پیش کیا تھا۔ اس پر حسینؑ نے اپنے خون سے دستخط کئے تھے۔ ماں جائی اب اس سے زیادہ کہنے کی طاقت نہیں۔ بعد اس کے

بانو سے بھی زینبؑ سے بھی کہنے لگے سرور — کیا کہتی ہو جائے کہ نہ جائے علی اکبرؑ
چپ رہ گئی زینبؑ تو کلیجے کو پکڑ کر — بانو نے کہا حکم سے لونڈی نہیں باہر

میں جان گئی بیٹے کی اور باپ کی مرضی
مختار ہو صدقے گئی جو آپ کی مرضی

آہ آہ مومنین! ماں کے بین کس منھ سے بیان ہوں۔ اولاد والے کیونکر سن سکیں گے۔

آنسو بہا کے بانوئے ناشاد نے کہا — پروان آج چڑھتا ہے صاحب یہ مہ لقا
لاؤ عمامۂ شب معراج مصطفےٰ — ارمان تھا بہت تمہیں اکبرؑ کے بیاہ کا

مرنے کو اب یہ جاتے ہیں دل کو سنبھال لو
دولہا بنا کے بیاہ کی حسرت نکال لو

لو بہر جنگ اکبرِ شیریں سخن چلے — بانو پکاری اے مرے گل پیرہن چلے
داری اجاڑ کر یہ ہمارا چمن چلے — پیچھے جوان پسر کے امام زمن چلے

غش ہو گئے حرم نہ رہا ہوش جان کا
زندہ جنازہ جاتا تھا کڑیل جوان کا

نکلا حرم سرا سے امام ھدیٰ کا نور — آئی ندا فلک سے برآمد ہوئے حضور
حضرت بھی آئے خیمہ کی ڈیوڑھی سے کچھ جو دور — دست ادب کو جوڑ کے بولا وہ ذی شعور

رخصت ہوں اب جو حکم شہ نامدار ہو
روکر کہا حسینؑ نے اچھا سوار ہو

ناگاہ فوج کیں سے عمر نے کیا کلام — یہ وقت کارزار ہے اے ساکنان شام

بس اک یہی ہے جانِ شہنشاہِ خاص و عام
مارا گیا یہ شیر تو مر جائیں گے امام

لو تو جناب فاطمہؑ زہرا کے باغ کو
گل کر دو بس حسینؑ کے گھر کے چراغ کو

یہ سن کے فوج کیں ہوئی آمادہ نبرد
دردِ دل حسینؑ تھا اس دم عجیب درد
غل یہ سنا تو ہو گیا حضرت کا رنگ زرد
کانپے جو پاؤں بیٹھ گئے بھر کے آہ سرد

ماں نے پچھاڑ کھائی پھپھی تلملا گئی
بدلی ستم کی واں علی اکبرؑ پہ چھا گئی

اکبرؑ کو غیظ آ گیا سنتے ہی یہ کلام
دی ابن سعد کو یہ صدا ٹھہر بدلگام
یہ کیا کلام کرتا ہے تو او نمک حرام
تیری نجس زباں پہ امام امم کا نام

ان کے قدم پہ جن و ملک جان دیتے ہیں
نام حسینؑ صلی علیٰ کہہ کے لیتے ہیں

یہ کہہ کے وہ دلیر در آیا سپاہ میں
گویا جھپٹ کے شیر نر آیا سپاہ میں
ہلچل ہوئی جری جدھر آیا سپاہ میں
خیبر کا معرکہ نظر آیا سپاہ میں

بجلی خدا کے قہر کی تھی یا حسام تھی
پہلے ہی وار میں صف اول تمام تھی

دوزخ میں ناریوں کے بڑے پیش و پس گئے
پانچ اس طرف پہنچ نہ چکے تھے کہ دس گئے
آگے گئے سوار تو پیچھے فرس گئے
جب برق تیغ کوند گئی سر برس گئے

چھایا تھا ابر غم سپہ بدصفات پر
غل تھا کہ اولے پڑتے ہیں کشت حیات پر

مومنین مقاتل میں تحریر ہے کہ یہ شہزادہ اسد اللہ کا پوتا گو تین روز سے بھوکا پیاسا تھا مگر افواج جفاکار میں ہیجان برپا کر دیا تھا۔ اللہ اکبر ادھر یہ مظلوم پیاسا تھا اور اس طرف اشقیا کی مسلح فوجیں۔ مگر حضرات عالم دار وگیر کا بپا تھا تمام میدان جنگ لاشوں سے پٹ گیا صفیں تتر بتر ہو گئیں۔ جب یہ دیکھا عمر سعد بدنہاد نے تو گھوڑا بڑھا کے آگے آیا اور للکار کر

کہا، اے فوج شام جائے شرم ہے کہ ایک تین دن کے بھوکے پیاسے کمسن نوجوان نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور صفوں کو تہ و بالا کر دیا۔ تم تو اپنی بہادری کے بڑے دعوے کرتے تھے
آہ آہ حضرات! یہ کلام بدنہاد اس ملعون شقی ازلی کا سنکر

نکلا پرے سے ایک جفا کار و کینہ خواہ | تھا مکر میں خلیفۂ شیطان روسیاہ
چلایا دیکھ کر طرف بارگاہ شاہ | آفت ہے پالنے کی محبت بھی آہ آہ
اس نوجوان کے ہجر میں آخر نکل پڑی
خیمہ سے بنت فاطمۂ زہرا نکل پڑی

تھا عشق سے پھپھی کے تو واقف وہ لالہ فام | گھبرا گیا حسینؑ کا فرزند نیک نام
گردن پھرا کے جلد نظر کی سوئے خیام | منہ پھیرنا تھا آہ کہ تھا موت کا پیام
برچھی کسی لعیں کی سینۂ انور پہ چل گئی
دل اور جگر کو چھید کے باہر نکل گئی

گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا تھام کر جگر | فرمایا آہ ہم کو دغا کی نہ تھی خبر
سب ہو گیا وہ جسم مطہر لہو سے تر | رہوار سے لپٹ گئے ہرنے پہ رکھ کے سر
جز بیکسی نہ کوئی تھا اس ماہرو کے ساتھ
ٹکڑے جگر کے آتے تھے ہم لہو کے ساتھ

لیتا تھا غش میں ہچکیاں وہ چودھویں کا ماہ | جو گرز فرق پاک پہ مارا کسی نے آہ
رہوار سے گرا پسر شاہ دیں پناہ | شہ کو پکارنے لگا با حالت تباہ
جلد آئیے غلام پہ احسان کیجئے
مشکل کو دم نکلنے کی آسان کیجئے

جس دم سنی حسینؑ نے یہ جانگزا صدا | صابر اگرچہ تھے پہ کلیجہ الٹ گیا
ہاتھوں سے دل کو تھام کے دوڑے برہنہ پا | رو کر پکارے باپ اس آواز پر فدا
مقتل کدھر ہے کوئی بتاتا نہیں مجھے
اے نور عین کچھ نظر آتا نہیں مجھے

کچھ ہوش دست و پا کا نہیں بیحواس ہوں
زخمی ہے قلب کشتۂ اندوہ و یاس ہوں
غمگیں ہوں مردہ دل ہوں حزیں ہوں اداس ہوں
دم توڑ دو تم تو ہائے غضب میں نہ پاس ہوں
دل کر غریب و بیکس و تنہا سے جائیو
آئے ضعیف باپ تو دنیا سے جائیو

دوڑے یہ بات کہہ کے جو سلطان بحر و بر
بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو میں تر
اٹھا یہ دل میں درد کہ خم ہو گئی کمر
برچھی جو دیکھی سینے میں ٹکڑے ہوا جگر
تڑپے جو گر کے اور تڑپ کر ٹھہر گئے
غل پڑ گیا عدو میں کہ شبیر مر گئے

ہوش آیا ہائے ہائے شہ مضطرب کو جب
دیکھا کہ مٹ رہی ہے شبیہ شہ عرب
آنسو بہا کے رکھ دئے بیٹے کے لب پہ لب
چلاتے تھے کہ چھوڑ چلے ہم کو تم غضب
دل سے گلے لپٹنے کی حسرت نکال دو
باہیں بڑھا کے باپ کی گردن میں ڈال دو

رو کر کہا کہ بیٹا ہوئے ختم ہم بھی بس
ہو گا جہاں سے جانے میں تھوڑا سا پیش و پس
مہجور باپ کو نہیں جینے کی کچھ ہوس
میرے لئے ہے اب دم خنجر ہر اک نفس
اکبر ترے الم سے جگر چاک چاک ہے
جب تو نہ ہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے

یہ بات سن کے لینے لگا ہچکیاں پسر
سوکھی زباں دکھائی کہ پیاسا ہوں اے پدر
زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سر بسر
دو بار لی کراہ کے کروٹ ادھر ادھر
لب تک نہ آہ اشک شہ چشم تر گئے
پیاسے پدر کو دیکھ کے اکبر گذر گئے

گھبرا کے شاہ دیں نے اٹھائی پسر کی لاش
لپٹائے تھے کلیجے سے لخت جگر کی لاش
لائے قریب خیمہ جو اس سیم بر کی لاش
غل پڑ گیا کہ آتی ہے رشک قمر کی لاش
زہرا کی بیٹیاں جو کھلے سر نکل پڑیں
سب بیبیاں خیام سے باہر نکل پڑیں

سر ننگے شہ کے گرد جو تھیں بیبیاں تمام
بانو پکارتی تھی کہ یا شاہِ تشنہ کام
تھے بیچ میں شہید کا لاشہ لئے امام
جلدی بتائیے کہ ہے جیتا تو لالہ فام
منکا ڈھلا ہے ہونٹوں پہ سوکھی زبان ہے
واری ہو ماں یہ کہدو کہ ہاں مجھ میں جان ہے

زینب تڑپ تڑپ کے یہ کہتی تھی بار بار
طاقت نہیں ہے آپ میں یا شاہِ نامدار
اکبر کو میری گود میں دیجئے بہن نثار
صدقے گئی لرزتا ہے آقا کا جسم زار
شہ کہتے تھے یہ کام ہے مجھ خستہ جان کا
تم سے بہن نہ اٹھیگا لاشہ جوان کا

لاشے کے پاس ہائے پسر کہہ کے ماں گری
دل پہ ہر اک کے برقِ غمِ نوجواں گری
ہاتھوں سے دل پکڑ کے پھپھی نیم جاں گری
غش ہو کے یاں گری کوئی اور کوئی واں گری
چھوٹی بہن جو لاش سے آکر لپٹ گئی
اک حشر مچ گیا صفِ ماتم الٹ گئی

صدائے استغاثہ شاہ کے خیمے میں جب پہنچی
[illegible]

مجلس یازدہم

شہادت جناب علی اصغر امام مظلوم کی گود میں

روایات میں منقول ہے کہ ایک روز سرور کائنات سید المرسلین اشرف الانبیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ایک زانو پہ فرزند رسالت ابراہیم تھے اور دوسرے زانو پہ لخت جگر حبیب خدا حسینؑ۔ آنجناب کبھی ابراہیم پر نظر ڈال کر مسکراتے تھے اور کبھی اپنے دل کے چین کو دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے تھے۔ ناگاہ جبرئیل امین خدمت سید المرسلین میں تشریف لائے اور دست بستہ عرض کی کہ پروردگار عالم بعد درود و سلام کے ارشاد فرماتا ہے کہ اس وقت دونوں زانوں آپ کے آباد ہیں۔ ان دونوں دُرہائے نایاب میں ایک کو اپنے

محبوب کی خدمت میں پیش کر دو۔ یہ پیام حق سنکر آنجناب نے قدرے سکون فرمایا۔ پھر دونوں بچوں پر نظر ڈالی اور ارشاد فرمایا کہ اے جبرئیل ابراہیم کو لے جاؤ اور اس ہدیۂ حقیر کو درگاہ رب العزت میں پیش کر دو۔ منقول ہے کہ فی الفور روح ابراہیم کی ملک الموت نے قبض کر لی۔ حضرات یہ وہ آخری چراغ نبوت تھا کہ جس کے بعد نرینہ نسل آنجناب کی قطع ہو گئی۔ اللہ اکبر! مومنین کس قدر پیارا تھا یہ چھوٹا نواسا جناب محمد مصطفےٰ کو کہ قربان کر دیا اپنے فرزند کو۔ مگر جدا نہ کیا سرور کونین نے شہ مشرقین کو اپنے زانوئے اقدس سے۔

مگر مومنین! اس نازوں کے پالے شہزادے نے بھی روز عاشور حق ادا کر دیا اس عشق حقیقی کا اور پورا کر دیا طفلی کا وعدہ اس ثابت قدمی سے کہ ختم کر دیا ایفائے وعدہ کو۔ اور قربان کر دیئے اپنے دونوں فرزند علاوہ انصار و اعزار کے امت پر جن میں سے ایک اٹھارہ برس کی کمائی تھی اور دوسرا وہ ننھا مجاہد جو ابھی گھٹنوں کے بل بھی چل کے قربان گاہ میں نہ پہنچ سکتا تھا۔ مگر یہ صادق القول امام آپ کا گہوارہ میں سے لے گیا۔ گود میں اس ننھے مجاہد کو قربان گاہ تک اور پیش کر دی آخری قربانی درگاہ رب العزت میں۔

چنانچہ منقول ہے کہ بعد شہادت علی اکبر کوئی مددگار امام مظلوم کا باقی نہ رہا۔ جو شہید کربلا کا فدیہ ہو سکے۔ اسوقت سید الشہداء یکہ و تنہا ایک بلندی پر تشریف لے گئے۔ چاروں طرف عزیز و انصار کی لاشیں بے گور و کفن ریگ گرم پر پڑی تھیں۔ حضرت بیتاب و بے قرار ہو گئے۔ رو رو کر ایک ایک کو آواز دیتے تھے کہ اے بھائی حسن کی نشانی قاسم مظلوم اپنے عمو کو دیکھو کس طرح یکہ و تنہا اعدائے دین کے نرغے میں گھرا کھڑا ہے۔ کبھی عباس علمدار کو پکار کر کہتے کہ اے بھائی کے عاشق تم ترائی میں گہری نیند سو رہے ہو ذرا اپنے بھائی کی آکر خبر لو کہ مصیبتوں کے پہاڑ دوپہر میں اس پر ٹوٹ پڑے۔ اے حسین کے فدائی کمر حسین کی ٹوٹ گئی۔ اس سے چلا نہیں جاتا۔ فوراً آکر اسے سنبھال لو۔ کبھی کڑیل جوان بیٹے کی لاش کو مخاطب کر کے فرماتے تھے کہ اے جان پدر اس ضعیف باپ کی بے کسی اور بے بسی پر تم کو رحم نہیں آتا کہ تمہیں دیر سے دھوپ میں کھڑا پکار رہا ہے۔ اے راحت جان تم میری ذرا سی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے تھے اور بیقرار ہو جاتے تھے۔ میرے کلیجہ کی ٹھنڈک آج تم پر کچھ ایسی ہی بن گئی

ہے کہ اِس باپ کی صدائے الغیاث سُن کر بھی کروٹ نہیں لیتے۔ یہ کہہ کر دل قابو میں نہ رہا دیر تک کھڑے روتے رہے۔ پھر جناب نے آخری حجّت تمام کرنے کے لئے صدائے استغاثہ بلند فرمائی۔ ھل من ینصرنا ناصر اے کیا ہے کوئی جو فرزند رسول کی اِس مصیبت کے وقت میں مدد کرے۔

راوی بیان کرتا ہے کہ یہ آواز مظلوم کربلا کی زمین و آسمان میں گونج گئی۔ چرند پرند شجر حجر زمین و آسمان، جن و ملک سب پکارتے تھے۔ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ یَا بن رسول اللّٰہ۔ مومنین جسوقت حضرت کی صدائے استغاثہ حرم محترم میں پہنچی تو ایک کہرام بپا ہوگیا بیبیاں سر کھولے در خیمہ کی سمت دوڑیں۔ اور اس ششماہے مجاہد نے نصرت پدر کے لئے اپنے گہوارہ سے گرا دیا۔ جب امام مظلوم نے صدا گریہ وزاری کی سُنی تو خیام اہلبیت کی طرف بے تابانہ دوڑے۔ دیکھا کہ بیبیاں بے تاب و بے قرار ہیں۔ جناب علی اصغر گہوارے کے نیچے زمین پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بلک رہے ہیں۔ ننھی سی زبان تشنگی کے باعث خشک ہو کر اینٹھ گئی ہے۔ آپ نے اپنے ننھے سے ناصر کو اٹھالیا اور ام رباب سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ مجھ سے تشنگی اور کرب اس معصوم کا نہیں دیکھا جاتا۔ فرزند ساقی کوثر اسے لے جا کر اشقیا سے دو گھونٹ پانی کا سوال کرتا ہے شاید انھیں اس کی حالت پر ترس آجائے۔ حضرت ام رباب صبح سے شہادت ابن حیفا کا رنگ دیکھ رہی تھیں کہ میدان سے کسی کو زندہ واپس نہیں کرتے۔ دونوں ہاتھوں سے اپنا کلیجہ تھام کر بیٹھ گئیں۔ اشک خونی بے ساختہ رخساروں پر بہنے لگے۔ ؎

القصہ عبا شاہ نے معصوم پہ ڈالی
اک ہاتھ سے معصوم کی گردن بھی سنبھالی
چہرے پہ جو تھی پیاس کے باعث سے بحالی
رخسار کی زردی سے مبدل تھی جو لالی
بے شیر کا منھ دیکھ کے رو دیتے تھے شبیر
اور سینے سے بیٹے کو لگا لیتے تھے شبیر

فرماتے تھے اسے غنچہ دہن اے مرے پیاسے
بتلاؤ مجھے کیا میں کہوں اہل جفا سے

رُک جائے گی میری تو زباں فرطِ حیا سے
کچھ میں نے اگر مانگا تو مانگا ہے خدا سے

بے پانی کے مانگے عرق شرم سے تر ہوں
مختار جو کوثر کا ہے میں اس کا پسر ہوں

چاہوں تو ابھی خاک ہوں جل جل کے یہ ناری
ظاہر کرے کوثر کو یہیں خالقِ باری
ہوں انگلیوں سے دودھ کی نہریں ابھی جاری
پر آج گوارا ہے مجھے پیاس تمہاری

قرباں نہیں کرتے ہیں رضامند خدا ہو
بابا بھی رہِ حق میں فدا تم بھی فدا ہو

ششماہے کو شہ قتل کے میدان میں لائے
دامن سے ڈھکے اصغرِ نادان کو لائے
کرنے کو فدا ننھی سی اک جان کو لائے
سمجھے یہ عدو دیکھ کے قرآن کو لائے

شہ بولے عبا چہرۂ اصغر سے ہٹا کر
للہ! بچا لو اسے تم پانی پلا کر

ان پھول سے رخساروں کے کملانے کو دیکھو
گہوارے سے میداں میں چلے آنے کو دیکھو
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کے مرجھانے کو دیکھو
غش آنے کو اور سانس الٹ جانے کو دیکھو

ناحق ہے عداوت تمہیں نازوں کے پلے سے
پھر روؤگے بھی پانی تو نہ اُترے گا گلے سے

یہ سن کے سخن رونے لگے سب وہ جفاکار
بولے کہ ابھی لاتے ہیں پانی سب اشرار
چلایا وہیں سے عمرِ سعدِ گنہگار
باتوں میں شہِ دیں کی نہ تم آئیو زنہار

سمجھے کہ یہ حیلے سے طلب کرتے ہیں پانی
بچے کے وسیلے سے طلب کرتے ہیں پانی

آہ آہ! مومنین یہ کلام عمر سعد بد نہاد سنکر، گروہ روسیاہ پھر آمادۂ پیکار ہو گیا۔ عمر سعد ملعون نے پھر حرملہ بدبخت سے للکار کر کہا کہ کیا دیکھتا ہے منھ کو میرے۔ کلام حسینؑ کو قطع کر دے۔ اولاد والو! اللہ تمہاری ممتا ٹھنڈی رکھے۔ پروردگار عالم کل ماؤں کی گودی بھری رکھے۔ صدقہ میں اُس آغوش کے جو روز عاشور وقت عصر خالی ہو گئی۔ ہائے اولاد والے کیونکر

سن سکیں گے جناب ام رباب کی دردبھری کہانی۔ عزادارو! گریبان اپنے چاک کرو کلیجوں پر ہاتھ رکھ لو۔ اور بچوں کو اپنی گودوں سے اتار کر جناب ام رباب کو پرسا دو۔ آہ آہ!! ـــــــــ

ہمکا جوں ہی ہاتھوں پہ وہ شبیر کا جایا
واں حرملہ نے تاک کے اک تیر چلایا
خم ہو کے اسے مثل کماں شہ نے چھپایا
مانند اجل ناوک ظلم و ستم آیا

شبیر چھپاتے رہے نازوں کے پلے کو
بازو پہ لگا چھید کے ننھے سے گلے کو

فوارہ چھٹا حلق سے بچے کے لہو کا
سب خون میں تر ہو گیا ننھا سا شلوکا
دم آ کے رکا حلق میں اس تشنہ گلو کا
خوں منھ سے اگلنے لگا وہ دودھ کا بھوکا

غل تھا کہ اب امت کا نگہبان نہیں ہے
فریاد کو زہرا طرف عرش چلی ہے

مچھلی سا جو ہاتھوں پہ تڑپتا تھا وہ بے شیر
بے تاب تھے بچے کو لئے حضرت شبیر
جب خوں نہ ہوا بند گلے سے کسی تدبیر
چلو سے لگے پھینکنے سوئے فلک پیر

اس خون کو مالک نے رکھا افلاک کے اوپر
لکھا ہے کہ قطرہ نہ گرا خاک کے اوپر

جب تیر کو معصوم کی گردن سے نکالا
دنیا سے سفر کر گیا وہ ہنسلیوں والا
اس وقت عجب درد سے روئے شہ والا
نزدیک تھا ہو جائے کلیجہ تہ و بالا

مظلومئ بے شیر پہ بے تاب تھے شبیر
روتے تھے عدو ہائے بے آب تھے شبیر

شہ لاش کو ہاتھوں پہ اٹھا کر یہ پکارے
اے میرے خدا خلق سے اصغر بھی سدھارے
صد شکر کہ تو نے مرے سب کام سنوارے
کچھ اور پئے نذر نہیں پاس ہمارے

یہ ہے پسر صاحب معراج کا ہدیہ
مقبول ہو اس بندۂ محتاج کا ہدیہ

گردوں سے صدا آئی کہ اے فخر خلائق
تھا تیرے سوا کوئی نہ اس کام کے لائق
رتبہ ہے ترا صبر میں ایوب سے فائق
ہے عشق ہمارا تجھے ہم ہیں ترے شائق

باقی فقط اک مرحلۂ خنجر کیں ہے
اب وصل کا محبوب کے ہنگام قریں ہے

سنکر یہ صدا گردن تسلیم جھکائی
جب خاک میں وہ چاند سی تصویر چھپائی
تلوار سے کھودی لحد اور لاش اٹھائی
تعویذ پہ منھ رکھ دیا رقت بہت آئی

کہتے تھے کہ ڈر ڈر کے نہ رونا علی اصغرؑ
ہم آتے ہیں آرام سے سونا علی اصغرؑ

مجلس دوازدہم

وہ آخری رخصت کا زمانہ تھا قیامت ؎ خیمے سے مسافر کا وہ جانا تھا قیامت

مظلوم کربلا سید الشہداء کی آخری رخصت

تواریخ اور روایات بتاتی ہیں کہ رسول مقبول سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ چھوٹا شہزادہ حسین صرف اپنے نانا ہی کا جان و ایمان نہ تھا بلکہ گھر بھر کی آنکھ کا تارا تھا۔ سیدۂ عالم نے اس بچے کو بڑے نازوں سے پالا تھا۔ اگر یہ نور عین اور جگر کا چین حسینؑ رونی صورت بناتا تو خاتون جنت بے تاب اور بے قرار ہو جاتی تھیں۔ آخری وقت تک ان معظمہ کو اس بچے کی اسقدر دلجوئی منظور تھی کہ شاید ہی دنیا میں کسی ماں کو اپنے بچے کے لئے ہو۔ حضرات! زندگی میں تو ناز برداری کا ذکر ہی کیا بعد رحلت بھی اس شہزادیٔ عالم کو حسینؑ کا رونا گوارا نہ ہوا۔ شاید اس شہزادے کی افسردگی اس لئے برداشت نہ ہوتی ہوگی کہ پدر بزرگوار سے روز عاشور اس نازوں کے پالے کی مظلومی اور بیچارگی کا تذکرہ سن لیا تھا چنانچہ منقول ہے کہ جب وقت رحلت سیدۂ عالم کا قریب پہنچا تو ان معظمہ نے شدید علالت نقاہت،

کے عالم میں ہی اپنے ہاتھ سے اِس بچے کو غسل دیا، لباس فاخرہ زیب تن کیا اور گیسو سنوار کے خوب پیار کیا۔ پھر انہیں روضۂ سرورِ انبیارؐ کی طرف روانہ کر کے جناب زینبؑ کو بلا کر فرمایا کہ اے ماں کی جان آج میں تم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوتی ہوں۔ بی بی میری صرف ایک وصیّت ہے اور وہ یہ کہ میرے بعد صبر و ضبط سے کام لینا۔ کیونکہ ایسا نہ ہو کہ میرا شہزادہ حسینؑ تمہیں بے تابی سے روتا دیکھ کر اور بھی بیقرار ہو جائے۔ میری جدائی سے اس پر رنج و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ دیکھنا بی بی تم جانتی ہو کہ میں نے اِس لختِ جگر کو کیسی کیسی مصیبتیں اٹھا اٹھا کر پالا ہے۔ مجھے اس نورِ نظر کا رونا۔ کبھی گوارا اور برداشت نہ ہوا۔ دیکھنا زینبؑ اگرچہ تم اس کی چھوٹی بہن ہو۔ لیکن میں تمہیں اپنی جگہ چھوڑتی ہوں۔ میرے اس شہزادے کی انتہائی دلجوئی کرنا اور زندگی بھر سائے کی طرح ساتھ رہنا۔ یہ کہکر سیدۂ عالم کا دل بھر آیا۔ وہ رو کے اسمار بنت عمیس سے بلا کر کہا کہ میں حجرے میں جاتی ہوں۔ تم کچھ دیر بعد مجھے پکارنا۔ اگر جواب نہ آئے تو جان لینا کہ میں اپنے پدر بزرگوار کے پاس پہنچ گئی۔ اگر اس درمیان میں چھوٹا شہزادہ آجائے اور حجرے میں داخل ہونا چاہے تو اُسے بہلا کر روک لینا۔ اور جب تک ابو الحسنؑ تشریف نہ لے آئیں حجرے میں اُسے آنے نہ دینا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ میری جدائی میں بلکنے لگے

حضرات راوی بیان کرتا ہے کہ وہ معظمہ چادر اوڑھ کر لیٹ گئیں اور کچھ دیر بعد اسمار نے دستک دی۔ لیکن جواب اندر سے نہ آیا۔ یہاں تک کہ جب تین مرتبہ دستک دینے پر بھی جواب نہ آیا تو اسمار چپکے چپکے رونے لگیں اور سمجھ گئیں کہ خاتونِ جنت خلد بریں کو تشریف لے گئیں۔ منقول ہے کہ اسی وقت یہ چھوٹا شہزادہ اپنے نانا کے روضہ سے واپس آیا۔ اور بنت عمیس سے پوچھا کہ اے اسمار ہماری اماں جان کہاں ہیں۔ اسمار نے جلدی سے آنسو پونچھے اور دوڑ کر اس مظلوم بچے کو گلے سے لگا لیا۔ اور کہا کہ صدقہ گئی۔ اماں تمہاری حجرے میں آرام فرماتی ہیں۔ شہزادہ مچل گیا۔ ہر چند کہ اسمار بہلاتی تھیں لیکن سودمند نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ شہزادے نے دوڑ کر دروازہ حجرہ کا کھولا اور اندر داخل ہوا دیکھا کہ مادرِ گرامی چادر اوڑھے بے حس و حرکت لیٹی ہیں۔ یہ بچہ سہم گیا۔ پھر اماں جان کہہ کر پکارا، مگر جواب نہ پا کر رونے لگے۔ او فرمایا اماں جان آپ کا لاڈلا حسینؑ آیا ہے۔ جب اس پر بھی جواب نہ آیا تو شہزادہ بیتاب

ہوکر آگے بڑھا۔ گوشۂ چادر چہرۂ اقدس سے ہٹاکر اس طرح ماں کو پکارا کہ راوی بیان کرتا ہے مومنین! نعشِ مطہر سیدہ عالم کو حرکت ہوئی آنکھیں کھل گئیں اور دونوں ہاتھ بے تحاشا اس شہزادہ کی طرف بلند ہوگئے۔ حسینؑ مظلوم دوڑ کر کلیجے سے اپنی ماں کے لگ گئے۔

اللہ اکبر عزادارو! خاتونِ جنت سے بعد وفات بھی اپنے نازوں کے پالے حسینؑ مظلوم کا بلکنا اور رونا برداشت نہ ہوسکا۔ آہ آہ! کیا حال ہوگا ان مخدّرہ کا روزِ عاشور جب دیکھا ہوگا کہ یہی شہزادہ تین دن کا بھوکا پیاسا صبح سے عصر کے وقت تک انصار و اعزا کی لاشیں میدانِ جنگ سے درِ خیمہ تک اٹھا اٹھا کر لا رہا ہے اور روتے روتے چشمِ مبارک متورم اور کمر و فورِ غم سے خم ہوگئی۔

حضرات! راوی کہتا ہے کہ وقتِ عصر جب سید الشہداء نے آخری قربانی شش ماہہ کی ربّ العزت میں پیش کی تو مظلومِ کربلا کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ معصوم شیرخوار کی لاش خون میں تر ہاتھوں پر لئے " انا للہ وانا الیہ راجعون " پڑھتے ہوئے جانب خیمہ روانہ ہوئے لیکن جب خیمہ کے قریب پہنچتے تھے قدم نہ آگے بڑھتے تھے۔ بچے کی خون میں بھری صورت دیکھ کر زار زار رونے لگتے تھے اور فرماتے تھے اے حسینؑ کے ننھے مجاہد تم نے تو ہم پر قربان ہوکر حق اپنا ادا کردیا۔ مگر میں کس منہ سے تمہاری خون میں غرق شدہ لاش کو خیمہ میں لیکر جاؤں۔ میرے ننھے مسافر تمہاری جھولا جھلانے والی تمہیں اس حالت میں آخر کیونکر دیکھے گی۔ جب کہ حسینؑ کا صبر امامت بھی لرزتے ہیں ہے۔ راوی کہتا ہے کہ امام مظلوم یہ کہہ کر پھر وہاں سے واپس ہوجاتے تھے۔ سات مرتبہ آپ حرمِ اقدس کی طرف تشریف لائے اور سات مرتبہ واپس ہوئے۔ آخر تلوار سے ننھی سی تربت کھودی اور اپنی آخری نذر کو سپردِ خاک فرمایا۔ مگر افسوس کہ پانی کے دو چلو ننھے مجاہد کی تربت پر چھڑکنے کو میسر نہ تھے۔ اس بے کسی اور بے بسی پر اور دل بھر آیا۔ تعویذ سے لپٹ کر رونے لگے

پانی نہ تھا جو شاہ چھڑکتے مزار پر
آنسو ٹپک پڑے لحدِ شیرخوار پر

اس کے بعد حضرات آپ کے امام مظلوم نے عجیب حالت سے خیمۂ اہلبیتؑ اطہار

میں تشریف لائے۔ سر جھکائے ہوئے تھے۔ آنکھوں سے پیہم آنسو رواں تھے۔ ریش مبارک پر شش ماہہ مجاہد کے خون کا خضاب کئے تھے۔ بازو کے اس تیر کے زخم سے برابر خون جاری تھا۔ جس نے ننھے مسافر کو دیکھتے دیکھتے منزل مقصود تک پہنچا دیا تھا۔ اُسے عجیب [illegible]ت سے دیکھتے جاتے اور گویا فرماتے تھے۔

یہ زخم تیر نہیں شغل زندگانی ہے
ہمارے اصغر ناداں کی یہ نشانی ہے

جب خواتین نے حضرت کو اس حال میں دیکھا تو منھ اور سر پیٹتی تھیں۔ اور پچھاڑیں کھاتی تھیں۔ الغرض امام مظلوم نے فرمایا۔ ؎

لو بیبیو! مرنے چلے اللہ نگہبان — مل لے وہ گلے آکے جسے ملنا ہو اس آن
جاتا ہے سوئے خلد یہ اب آپکا مہمان — بس بار ہے اسوقت مرے سر پہ مری جان

میدان میں جانباز پڑے سوتے ہیں افسوس
ہم یاد انھیں کرتے ہیں اور روتے ہیں افسوس

آ بالی سکینہ کہ پدر چھٹتا ہے تیرا — مجبور ہوں واللہ کہ کچھ بس نہیں میرا
آتا ہے نظر اب مجھے ہر سمت اندھیرا — اندوہ والم نے مجھے اس درجہ ہے گھیرا

آنکھوں میں یہ دنیا مری اندھیر ہوئی ہے
جینے سے طبیعت مری اب سیر ہوئی ہے

بچپن میں لکھا تھا تمہیں بن باپ کے ہونا — اے جان پدر یاد ہمیں کر کے نہ رونا
ہوگا نہ میسر مرے اب سینہ پہ سونا — زنداں ترا گھر ہوئیگا اور خاک بچھونا

کبھی تو آرام نہ ہم پائیں گے بی بی
لینے کو تمہیں خلد سے ہم آئیں گے بی بی

اب ذرا بہنیں اور بھائی کلیجوں پر اپنے ہاتھ رکھ لیں کہ دکھیاری کوکھ اُجڑی بہن کا پروانہ بھائی بہن سے مرنے کی اجازت چاہتا ہے۔ آہ! کیا قیامت کا وقت تھا۔ چنانچہ

راوی بیان کرتا ہے کہ امام مظلوم نے بہن کو گلے سے لگایا اور فرمانے لگے اے میری ماں جائی زینبؑ اب بھائی کو سرِ نذرِ درگاہِ رب العزت کرنے کی اسی صبر و شوق کے جذبے سے کام لیکر اجازت دو جس طرح اپنے دونوں لختِ جگر نازوں کے پالوں کو بھائی پر سے قربان کر دیا۔ بہن نے جب یہ قیامت خیز سخن اپنے ماں جائے کی زبان سے سُنے تو بے تابانہ دامنِ بھائی کا تھام لیا۔ اور رو رو کر کہتی تھیں۔ ؎

جاتے ہو تو ہمراہ بہن کو لئے جاؤ
جب غش میں سرِ پاک کو مرنے پہ جھکاؤ
میں تیر ستم کھاؤں گی تم برچھیاں کھاؤ
میں تھام تو لوں خاک پہ تم گرنے نہ پاؤ

تنہا تمہیں شمشیر و تبر کھانے نہ دوں گی
مرجاؤں گی پر آپ کو میں جانے نہ دوں گی

ہے ہے تمہیں میں لیکے کہاں چھپ رہوں بھائی
کس دشتِ پر آشوب میں قسمت مجھے لائی
لٹتی ہے مرے چار بزرگوں کی کمائی
تم مرنے چلے موت نہ ہے ہے مجھے آئی

مرجائے بہن بھیا بلائیں تری لے کے
میں نے تو ہے پایا تمہیں دو بیٹوں کو دے کے

رونے لگے زینبؑ سے یہ سُن کر شہ ابرار
فرمایا کہ دے صبر تمہیں ایزدِ غفار
چھاتی سے لگایا انھیں با دیدۂ خونبار
واللہ بہن بھائی ہے اس امر میں ناچار

کس طرح نہ مرنے کا ارادہ کریں زینبؑ
خالق کی یہی مرضی ہے ہم کیا کریں زینبؑ

رو و نہ تمہیں خالقِ اکبر کی قسم ہے
اماں کی تمہیں روحِ مطہر کی قسم ہے
پیٹو نہ بہن سر کو پیمبر کی قسم ہے
بس صبر کرو تم کو مرے سر کی قسم ہے

بس اب مرا دم سینے میں گھبراتا ہے زینبؑ
واللہ کہ اب صبر میں فرق آتا ہے زینبؑ

القصہ مسافر کا وہ جانا تھا قیامت
آنا تو غنیمت تھا پہ جانا تھا قیامت
ایک ایک کو چھاتی سے لگانا تھا قیامت
وہ آخری رخصت کا زمانہ تھا قیامت

حسرت سے وہ ایک ایک کو تکنا تھا قیامت
رو رو کے وہ بچوں کا بلکنا تھا قیامت

رو رو کے بڑھے چند قدم شاہِ خوش اقبال
قدموں پہ گریں بی بیاں سب کھولے ہوئے بال
تھا قبلۂ عالم کا بھی اس وقت عجب حال
روتے تھے غضب آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال

فرماتے تھے جانکاہ جدائی کا الم ہے
قدموں سے اٹھو روحِ پیمبر کی قسم ہے

یہ کہہ کے کچھ اسرار کہے گوشِ پسر میں
بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
اندھیر زمانہ ہوا ہر اک کی نظر میں
غش ہو گئی زینبؑ یہ اٹھا درد جگر میں

ٹھہرا نہ گیا واں شہِ والا نکل آئے
تنہا گئے تھے خیمہ میں تنہا نکل آئے

کچھ بڑھ کے پھرے جانب قبلہ شہِ بے پر
پھر عرش کی جانب کو اٹھایا سرِ انور
تھراتے ہوئے ہاتھوں پہ عمامے کو رکھ کر
کی حق سے مناجات کہ اے خالقِ اکبر

حرمت ترے محبوب کی دنیا میں بڑی ہے
گر صبر عطا تو مجھے منزل یہ کڑی ہے

یارب یہ ہے سادات کا گھر تیرے حوالے
رانڈیں کئی ہیں خستہ جگر تیرے حوالے
بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے
معصوم یہ سب نورِ نظر تیرے حوالے

والی مرے غربت میں گرفتارِ بلا ہوں
میں تیری حمایت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں

میں یہ نہیں کہتا کہ اذیت نہ اٹھائیں
یا اہلِ ستم آگ سے خیمے نہ جلائیں
ناموس مرے قید ہوں اور شام میں جائیں
مہلت مرے لاشے پہ بھی رونے کی نہ پائیں

بیڑی ہو قدم طوق میں عابد کا گلا ہو
لیکن ترے محبوب کی امت کا بھلا ہو

یہ کہہ کے گریبانِ مبارک کو کیا چاک
اور ڈال لی پیراہنِ پُر نور پہ کچھ خاک

میت ہے شبیرؑ کفن بن گئی پوشاک
اک فاتحہ خود ہائے پڑھی بادل غمناک

گر دل نے کسی دوست نہ غمخوار کو دیکھا
بس روتے ہوئے اشکوں سے رہوار کو دیکھا

الغرض عزادارو! بیکہ و تنہا مظلوم وبے کس قریب رہوار آیا۔ دیکھا کہ وہ اسپ وفادار مثال ابر نوبہار زار زار روتا ہے۔ یہ حالت ذوالجناح کی دیکھ کر دل بھر آیا۔ مگر اس صابرو شاکر نے ضبط کیا۔ اور چاہتے تھے کہ سوار ہوں جو گنج شہیداں پر نظر جا پڑی۔ امام مظلوم عجیب حسرت سے عزیزوں اور انصار کی ریگ گرم پر مجروح لاشیں دیکھتے تھے اور رو رو کر فرماتے تھے

بیٹا علی اکبر مری پیری کے سہارے
اس وقت میں انصار کہاں میرے سدھارے
تھامو مرے گھوڑے کی رکاب آن کے پیارے
بھائی ہیں کہاں ہاتھوں میں دیں ہاتھ ہمارے

آتے نہیں مسلمؑ کے جگر بند کہاں ہیں
دونوں مری ہمشیر کے فرزند کہاں ہیں

یہ آخری خدمت ہے ہماری مرے پیارو
آواز ہی اک بار ہمیں اپنی سناؤ
مرنے کے لئے جاتے ہیں مرکب پہ بٹھاؤ
رویا نہیں جاتا ہے نہ اب ہم کو رلاؤ

آ کر گلے مل لو تو ہم مرنے کو جائیں
سر یہ بھی مہم آخری بس کرنے کو جائیں

یہ کہہ کے ہوئی شاہ پہ رقت ہوئی طاری
تکتی تھی در خیمہ سے دکھ درد کی ماری
عباسؑ کو اکبرؑ کو پکارے کئی باری
ماں جائی بہن آتی ہے رو کر وہ پکاری

مجبور ہے لاچار ہے شرمندہ ہے زینبؑ
اس آخری خدمت کے لئے زندہ ہے زینبؑ

یہ کہہ کر مقنعہ سر پر لیا اور ماں جائے مظلوم کربلا کو سوار کرانے تشریف لائیں۔ مومنین! وہ وقت بھی کس قیامت کا وقت تھا۔ دکھیا بہن اپنے بیکس بھائی کو فرس کی رکاب پکڑے سوار کرا رہی تھیں قلم قاصر ہے کہ اس جانگداز منظر کو تحریر کرے۔ غرض سید الشہدا سوار ہو کر چلے۔ آہ آہ! دل ٹکڑے ہوتا ہے اسوقت کے تصور سے۔ بھائی مڑ مڑ کر حسرت بھری

نظروں سے بہن کو دیکھتا جاتا ہے۔ بہن کھڑی تھر تھر کانپ رہی ہے۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا آیا جاتا ہے۔ دنیا اس کی نظروں میں اندھیر ہوئی جاتی ہے۔

آنکھوں سے جو حضرت کی سواری ہوئی مستور — بس بیٹھ گئی خاک پہ وہ بے کس و مجبور
معلوم یہ ہوتا تھا کہ آنکھیں ہوئیں بے نور — غش ہو گئی واں خاک پہ بس زینبؑ مجبور

ہوتا تھا یہ دھوکا کہ سفر کر گئیں زینبؑ
بھائی کا الم سہہ نہ سکیں مر گئیں زینبؑ

الغرض عزادارو! راوی بیان کرتا ہے کہ ابھی مظلوم کربلا کچھ دور تشریف لے گئے تھے کہ رہوار آنجناب کا دفعۃً رک گیا۔ اور سر اپنا جھکا لیا امام مظلوم نے فرمایا کہ اے مرکب رسولِ مقبول راکب دوش نبی کی یہ آخری خدمت ہے۔ اس مسافر عدم کو چند قدم اور پہنچا دے۔ اے اسپ باوفا بے کس حسینؑ تجھ سے بہت شرمندہ اور محجوب ہے کہ تین روز و شب سے تو پیاسا ہے لیکن اے ذوالجناح سرور کونین کی روح مطہر کی قسم کہ اُن کی اُمت نے دل بند رسالت کو اس قدر مجبور اور لاچار کر دیا کہ اتنی قدرت نہیں کہ ایک کوزۂ آب فراہم کر سکوں۔ اے ذوالجناح گواہ رہیو کہ میرے تمام رفقا تین دن کے پیاسے رسول کی امت نے ذبح کروا لے۔ اور وقت آخر بھی ایک قطرہ آب ان کو میسر نہ ہوا۔ شش ماہے کی پیاس حرملہ نے تیر سہ پہلو سے بجھائی اور آہ آہ! سب بچوں کی صدائے العطش در خیمہ سے بلند ہے۔

غرض حضرات! امام مظلوم نے ہر چند اصرار فرمایا، مگر قدم کو اس ذوالجناح نے جنبش نہ دی۔ آخر امام مظلوم نے مایوس ہو کر اک آہ سرد بھری اور فرمایا کہ افسوس اے حسینؑ بے کس کے آخری ناصر تو نے بھی نصرت سے اسوقت جواب دیا جب تیرا ایک زخموں سے چور اور چلنے سے مجبور ہے، لاشہ ہائے شہدا اٹھاتے اٹھاتے کمر اس کی خم ہو گئی ہے، اور مصائب نے اسے اس قدر ناطاقت اور کمزور کر دیا کہ اس میں اب اپنی قتلگاہ تک پہونچنے کی بھی ہمت نہیں ہے۔

یہ کلام حسرت آیات سنکر ذوالجناح کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک طوفان امنڈ آیا اور بے تاب و بے قرار ہو کر گردن جھکا کر اس قسم کی دردناک آواز نکالی کہ حضرت

دل بھر آیا اور گھبرا کر زمین پر تشریف لائے

آہ آہ مومنین! دیکھا حسینؑ مظلوم نے کہ آپ کے نازوں کی پالی سینے پر سونے والی بالی سکینہ ذوالجناح کے قدموں سے لپٹی ہوئی زار زار رو رہی ہے۔ اور کہتی ہے کہ اے ذوالجناح میں تجھے قسم دیتی ہوں خدائے پاک کی اور اپنے جدامجد کی روح مطہر کی کہ میرے بابا کو اعدائے دین کے نرغہ میں نہ لیجا میں صبح سے دیکھ رہی ہوں کہ جو کوئی ان کی طرف جاتا ہے زندہ واپس نہیں آتا۔

یہ قیامت خیز باتیں اس معصوم کی سنکر امام مظلوم بے تاب و بے قرار ہو گئے۔ دوڑ کر اپنی بچی کو سینے سے لگا لیا اور فرمایا کہ اے باپ کی جان تجھے میرے سر کی قسم نہ رو کہ اب میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ میری جان دنیا میں ماں باپ سدا کس کے رہے ہیں۔ پھر یہ کہ ہمارے جدامجد محمدؐ مصطفےٰ سے زیادہ جینے کا حق کسے تھا۔ مگر وہ بھی درگاہ رب العزت میں طلب فرمائے گئے۔ ؎

جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا

جب احمدؐ مرسل نہ رہے کون رہے گا

جاؤ میری جان اب تم خیمہ میں جاؤ اور باپ کے سینے پر سونے کے بجائے ماں کی گود میں سونے کی عادت ڈالو۔

یہ سُن کر شہ کی لاڈلی زار زار رونے لگی اور ننھے ننھے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ اچھے بابا جان ایک دفعہ تو ہمیں اور اپنے سینے پر سلا لیجئے۔ میں ابھی سو جاؤں گی۔ پھر آپ مجھے یہیں لٹا کر شوق سے چلے جائیں۔

یہ دلدوز فقرے لاڈلی بیٹی کے سنکر سید الشہداؑ کو تاب ضبط نہ رہی۔ زار زار رونے لگے۔ آپ وہیں خاک پر لیٹ گئے اور سکینہ کو سینے پر لٹا لیا۔ اور رو رو کر اس نازوں کی پالی کو تھپکتے جاتے تھے اور رو رو کر یوں لوری دیتے جاتے تھے۔ ؎

رو کے کہتے تھے شاہ مدینہ۔ سو جا سینے پہ سو جا سکینہؑ

پھر نہ پائے گی بابا کا سینہ۔ سو جا سینے پہ سو جا سکینہ

کھویا صد حیف ہے سب کے دم کو۔ راس آیا نہ افسوس ہم کو

یہ محرم کا ہائے مہینہ، سوجا سینے پہ سوجا سکینہ
ہائے بیچارگی میری ہائے۔ کام غربت میں تم سب کی آئے
ایسا کوئی نہیں ہے دفینہ، سوجا سینے پہ سوجا سکینہ
لوٹ لیں گے یہ خیموں کو اعدا، اور حرم کا رہیگا نہ پردہ
کہہ رہا ہے یہاں کا قرینہ، سوجا سینہ پہ سوجا سکینہ
عصر کے وقت آنا نہ در پر کیونکہ دیکھو گی اے میری دختر
زانوئے شمر اور میرا سینہ، سوجا سینہ پہ سوجا سکینہ
قتل کر کے مجھے فوج اعدا، کر کے پامال پھر میرا لاشہ
لیں گے انگشتری اور نگینہ، سوجا سینہ پہ سوجا سکینہ
مجھ کو رو دو گی گر تم بلک کر۔ وہ طمانچے لگائیں گے منھ پر
یوں نکالیں گے وہ دل کا کینہ۔ سوجا سینہ پہ سوجا سکینہ
اک شقی دُر ترے کان کے بھی۔ چھین لے گا اگر تم نہ دو گی
کان زخمی کرے گا کمینہ، سوجا سینے پہ سوجا سکینہ
ہر مصیبت پہ تم صبر کرنا، غم اٹھاتے ہی جاں سے گذرنا
یہ نبی کے ہے گھر کا قرینہ، سوجا سینہ پہ سوجا سکینہ

بھنور میں کفر کے دیکھی جو کشتی امت

مجلس سیزدہم

محمدوارث نے دیں ہیں بہنے حسین سپر کیا ہے

بیان شہادت سیدالشہدا حضرت امام حسینؑ

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ ۔ دین است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دست یزید ۔ حقا! کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

مسلم اور غیر مسلم مورخوں نے اپنی اپنی تواریخ میں اِس امر کا اعتراف کیا ہے کہ

حقیقت امر یہ ہے کہ اگر حسینؑ دست یزید ملعون پر بیعت کر لیتے تو دین اسلام کہیں روئے زمین پر باقی نہ رہتا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس مظلوم نے اشرف انبیاء حبیب خدا کو اس قسم کا عشق حقیقی تھا۔ جس کی مثال عالم میں نہیں ملتی۔ عید کے دن دوش پر اپنے سوار کر لیا۔ پھر گیسو اپنے شہزادے کے ہاتھ میں سر بازار دے کر اونٹ کی سی آواز نکالنا۔ ایک وہ نظارہ ہے جو عقلوں کو حیرت میں ڈالتا ہے۔ ایک رسول محترم ہی کو نہیں بلکہ اس شہزادے سے سب کو اس قسم کی محبت تھی جسے الفاظ بیان نہیں کر سکتے۔ اس ذبح عظیم کی ناز برداری میں ہر ایک جان تک کی بازی لگا دینے کو تیار رہتا تھا۔ فرش کے رہنے والوں کا تو ذکر ہی کیا۔ عرش پر ملک اس جان رسالت کی خدمت پر فخر و مباہات کرتے تھے۔ بلکہ خود خداوند عالم نے اس بچہ کی ناز برداری فرمائی ہے۔ کبھی جبرئیل امین کو خلعت بہشت دے کر خیاط کی صورت میں بھیجا۔ کبھی ملک کو گہوارہ جنبانی کی خدمت کے لئے روانہ کیا۔ اس سے زیادہ ناز برداری اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ اپنی عبادت تک میں خلل آنے کی پرواہ نہ کی۔ مگر قدرت کو یہ منظور نہ ہوا کہ اس سیدۂ عالم کے نازوں کے پالے کا دل میلا ہو۔

چنانچہ منقول ہے کہ ایک روز جناب رسول خدا مسجد نبوی میں نماز پڑھا رہے تھے کہ یہی حضورؐ کا چھوٹا شہزادہ حسینؑ دوڑتا ہوا مسجد میں آیا۔ اس وقت حضورؐ سجدے میں تھے۔ یہ صفوں کو چیرتا ہوا اپنے نانا کے قریب پہنچا اور پشت مبارک پر سوار ہو گیا۔ فی الفور جبرئیل امین بشریت لائے اور عرض کی کہ اے حبیب خدا خلاق عالم بعد درود و سلام فرماتا ہے کہ جب تک میرا حسینؑ خود پشت مبارک سے نہ اُترے آپ سجدہ سے سر نہ اُٹھائیں۔ راوی بیان کرتا ہے کہ حضورؐ نے بہتر مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ و بحمدہ ارشاد فرمایا۔ شاید اس وقت رب العزت کے پیش نظر روز عاشور کا وہ منظر ہو گا۔ یا شاید وقت عصر اس سید الشہداء کا وہ آخری سجدہ کرنے کا مرقع سامنے ہو۔ جب یہ مظلوم اپنے بہتر انصار و اعزا کو دشت کربلا میں قربان کرنے کے لئے تیار ہو گا۔ اور جب تمام قربانیاں درگاہ ایزدی میں پیش کرنے کے بعد زخموں سے چور ہو گا اور پشت پر شمر نابکار خنجر لئے ذبح کرنے کو تیار ہو گا۔ اور اس بیکس و مظلوم صابر و شاکر کا سر سجدے میں قربانیوں کے قبول کرنے کے شکریہ میں ہو گا۔

باغ احمدؐ گل قلم ہونے پہ سجدہ شکر کا　-　صبر میں ایوبؑ لائیں شاہ صفدر کا جواب

اللہ اللہ! کس قدر صابر و شاکر ہستی تھی۔ امام عالیمقام مظلوم کربلا سید الشہداء کی کہ جس کی مثال سے از آدم تا ایندم تواریخ کی گود خالی نظر آتی ہے۔ اللہ اکبر! دوپہر میں کیا کام کر گیا۔ یہ جان رسالت کہ حشر تک صرف امت محمدی ہی نہیں۔ بلکہ جن و ملک تک فخر کیا کریں گے۔ اور دوسری قومیں ہمارے اس پیشوائے دین پر رشک و حسد کریں گی۔

چنانچہ روایت ہے کہ جب امام مظلوم ننھے سے شاہ مجاہد کی آخری قربانی بھی درگاہ رب العزت میں پیش کر چکے تو آپ خیمہ میں آخری رخصت کے لئے تشریف لائے۔ تمام بی بیاں سر کھولے اس شمع امامت کے گرد پروانہ صفت جمع تھیں اور ایک کہرام عظیم برپا تھا کہ ناگاہ فوج عدو سے مبارز طلبی ہوئی۔ اور چند کمینوں نے کلام طعن اپنی نحس زبانوں پر جاری کئے۔ یہ سنکر اس غیور امام کو غیظ آگیا۔ خون ہاشمی رگوں میں تیزی سے دوڑنے لگا۔ مگر پھر بھی صبر سے کام لیا اور خیمہ سے میدان جنگ میں پہنچکر آپ ایک بلندی پر تشریف لے گئے اور ملاعین کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا

اے غافل اور سیاہ بخت لوگو! حرص و طمع و لالچ نے تمہاری آنکھوں کو اندھا تمہارے کانوں کو بہرہ اور تمہارے قلوب کو شب تیرہ و تار کی مانند سیاہ اور سنگ خارہ کی طرح سخت بنا دیا ہے۔ اے دریائے معصیت کے غرق شدہ ذلیل اور انسان نما درندو! کاش۔ تم اس مجاہد ملت اور رہبر حق کی آخری آواز پر اب بھی چونکو۔ اے دشمنان دین تم امت محمدی ہونے پر دیگر اقوام کے سامنے فخر و مباہات کرتے ہو۔ اور اس نور حق حبیب خدا اشرف الانبیاء کے فرزند کو تین دن پیاسا رکھ کر ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے اپنی تیغوں پر صیقل کر رہے ہو۔ اپنی کمانوں میں تیر جوڑ رہے ہو اپنی سنانوں اور بھالوں سے اس جگر رسالت کو چھلنی بنانے پر تلے ہوئے ہو۔ اب بھی اگر تم جفا سے ہاتھ اٹھاؤ اور مجھ بیکس و تنہا مظلوم کو اپنے نانا کی قبر مطہر کی مجاوری کی اجازت دے دو تو میں اپنے باقی ماندہ لٹے ہوئے کنبہ کو لے کر واپس مدینہ کی طرف چلا جاؤں اور زندگی کے بقایا دن نانا میں گوشہ نشین رہ کر ختم کر دوں گا۔ میں تم کو اپنے ان انصار اور عزا کا

خوں بہا بھی معاف کرتا ہوں۔ جن کی لاشیں گنج شہیداں کی ریگ گرم پر پڑی ہیں "۔
یہ کلام امام عالی مقام سنکر ایک زبردست سناٹا سپاہ شام پہ چھا گیا۔ بدن ہر ایک کا مثل بید لرزاں تھا۔ اشک آنکھوں سے جاری تھے ہمگرا افسوس! کہ اس بے گناہ معصوم جان رسالت کے اور روح امامت کے خون ناحق کا دھبہ امت محمدی پر لگنا تھا۔ چنانچہ سعد کا منحوس بیٹا عمر آگے بڑھا اور پکار کر کہا کہ اے حسینؑ ہم تمہاری فصاحت کے سدا سے معترف ہیں۔ یہ تمہارے گھرانے کا حصہ رہا ہے۔ مگر یہ میدان جنگ ہے۔ یہاں اس قسم کی فصیح و بلیغ گفتگو سے میدان تمہارے ہاتھ نہیں آسکتا۔ یہاں تو کچھ جوہر مردانگی دکھانے کی ضرورت ہے اور اگر تم اس سے قاصر ہو تو ہمارے خلیفہ اور امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کر کے انعام و اکرام سے اپنا دامن بھر لو۔ اور اگر اب بھی آپ اپنی ضد پر قائم رہے تو گنج شہیداں میں ایک جگہ ابھی تمہارے مجروح لاشے کے لئے خالی ہے جسے پُر کرنے کے لئے فوج شام کے دل بادل مسلح تیار ہیں۔
حضرات! یہ سنکر امام مظلوم نے ایک آہ سرد بھری اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن فرمایا راوی بیان کرتا ہے کہ حضرت کا روئے مبارک اس وقت سرخ ہو گیا۔ آثار غیظ و غضب چہرۂ اقدس سے عیاں تھے۔ آپ ذوالجناح پر سوار ہوئے اور برق کی مانند فوج اعدا پر تشریف لائے اور للکار کر فرمایا۔ افسوس اجل تمہارے سر پر آپہونچی ہے۔ شاید تمہیں معلوم نہیں۔ کہ ۔۔

غصہ حسینؑ کا غضب ذوالجلال ہے خیبر کو جس نے فتح کیا اس کا لال ہے	روباہ مل کے شیر کو ماریں مجال ہے میداں میں اس کے سامنے رستم بھی آل ہے
بدر و احد کا معرکہ عالم کو یاد ہے خیبر کی ضرب مرحب اظلم کو یاد ہے	
آخر حسینؑ بھی ہے اسی شیر حق کا شیر	کر دے گا ایک حملہ میں زور آوروں کو زیر

کے مکر و فریب پر تاسف فرماتے جاتے تھے اور خون اپنے جسم مطہر کے زخموں سے پونچھتے جاتے تھے کہ ناگاہ عمر سعد للکارا۔ اے سپاہ شام کے جاں باز سپاہیو! جلد بڑھو اور بے کس و تنہا کو گھیر لو۔ اور سر فرزند رسول کا کاٹ کر خلعت و انعام حاکم شام سے حاصل کر لو۔

زخموں سے شہ جن و بشر چور ہوئے ہیں
تلوار اٹھانے سے بھی مجبور ہوئے ہیں

بس حضرات!

یہ سن کے جلال آگیا دلبند نبی کو
پھر میان سے کھینچا وہیں شمشیر علی کو
چمکی جو وہ بجلی نہ رہی تاب کسی کو
گھبرا کے پکارے عمر سعد شقی کو

تلوار کھینچی شاہ کی آفت ہوئی برپا
پھر غیظ میں شہ آئے قیامت ہوئی برپا

یہ ذکر تھا جو فوج میں شبیرؑ در آئے
سردار ہر اک ضرب میں بے سر نظر آئے
اس صف پہ کبھی اور کبھی اس غول پہ آئے
اعدا پہ خدا کا غضب آیا جدھر آئے

جب ہاتھ اٹھایا پہنچی چمک چرخ بریں پر
جب فرق پہ پہنچی تو گری برق زمیں پر

پیکار کو آیا کوئی گر صف سے نکل کر
وہ سرد ہوا آتش شمشیر سے جل کر
تلوار پڑی جس پہ وہ اٹھا نہ سنبھل کر
مر مر گئے اس شیر کے نعروں سے دہل کر

دیکھا جسے غصہ سے جگر پھٹ گیا اس کا
لڑنے کو بڑھے جس سے لہو گھٹ گیا اس کا

الغرض حضرات! اس تین دن کے پیاسے حیدر کرار کے شیر نے قیامت بپا کر دی منظر دار و گیر عیاں ہوا۔ چنانچہ راوی کہتا ہے کہ ہر سمت سے

غل تھا کہ شیر حیدر کرار الاماں
اے حیدر و بتولؑ کے دل دار الاماں
اے نور چشم احمد مختار الاماں
پہنچے سزا کو ہم ستم شعار الاماں

کر رحم اب تو تشنہ دہانی کا واسطہ
ہمشکل مصطفیٰ کی جوانی کا واسطہ

ناگاہ تب یہ عرش سے ہاتف نے دی صدا　　غازی جری مسافر و مظلوم مرحبا
مردانگی سے شاد ہوا رب دوسرا　　پھر ایک بار صبر کے جوہر ذرا دکھا
یہ تو بتا دیا ہے کہ میداں کے مرد ہو
اب یہ دکھاؤ صبر میں یکتا ہو فرد ہو

یہ سن کے باگ چھوڑ دی اور روک لی حسام　　اعدا کو دی صدا کہ لڑائی ہوئی تمام
مکر و دغا تمہیں میں ہے اے ساکنانِ شام　　حکم خدا نہ مانے نہیں شیوۂ امام
طاقت پہ علم سبطِ پیمبر کو دیکھ لو
دیکھا [illegible] تو صبر کے جوہر بھی دیکھ لو

یہ سن کے شہ پہ ٹوٹ پڑے تیغ زن تمام　　سینے کو تکنے لگے ناوک فگن تمام
بھاگے ہوئے لعیں بھی ہر اور سے پھر پڑے
یاں تک اٹھائے زخم کہ گھوڑے سے گر پڑے

جب خاک پر تڑپنے لگا فاطمہ کا لال　　اک بی بی نکلی خیمے سے بکھرائے سر کے بال
چہرے سے تھا عیاں اسد اللہ کا جلال　　ہلتی تھی اس کی چال سے خیر النسا کی چال
رونے کی آرہی تھی صدا جو غبار سے
غل تھا کہ فاطمہ نکل آئیں مزار سے

چلاتی تھی یہ ہاتھوں سے تھامے ہوئے جگر　　کیوں بے چراغ کرتے ہو خیر النساء کا گھر
اس کے عوض پھرا دو چھری میرے حلق پر　　اے ظالمو یہ حیدرِ صفدر کا ہے پسر
کٹتا ہے ایک حلق کئی گھر اجڑتے ہیں
ہے ہے یہ تیر کس کے کلیجے پہ پڑتے ہیں

غش میں امام نے جو بہن کی سنی صدا　　گردن اٹھا کے بولے کہ زینب یہ کیا کیا
زخموں سے چور ہو گیا شہ کا بدن تمام　　آخر لہو میں ڈوب گیا پیرہن تمام

سر تن پہ ہے ابھی مرے کیوں چھینا دی ردا — آئی صدائے فاطمہؑ بیٹی یہ ماں فدا
بیٹے کو دیکھ کر میں عجب بےحواس ہوں
تو گھر میں جاکہ میں ترے بھائی کے پاس ہوں

مقتل میں بے عمامہ ہیں محبوب کبریا — آتے ہیں غش پہ غش انھیں تھامے ہیں انبیاء
اور سر برہنہ گرد علیؑ کے ہیں اولیا — اک شور ہے کہ ہائے یہ امت نے کیا کیا
اُٹھ اُٹھ کے جب زمین پہ شبیر گرتے ہیں
پروانے کی طرح سے حسنؑ گرد پھرتے ہیں

ماں کی صدا کو سن کے پکاری وہ دلفگار — اماں یہ بیٹی آپ کی آواز کے نثار
بھائی سے چھٹتی ہوں مجھے کیونکر پڑے قرار — ہے ہے یہ تن حسینؑ کا اور برچھیوں کے وار
اس بیکسی میں کام نہ بھائی کے آؤں میں
نکلی ہو تم تو قبر سے اور گھر میں جاؤں میں

رو کر یہ بین کرتی تھی وہ سوختہ جگر — اور پیٹتی تھیں بی بیاں ڈیوڑھی پہ ننگے سر
چلاتی تھی سکینہ کہ ہے ہے مرے پدر — تھیں چھوٹے چھوٹے بچوں کی اشکوں سے آنکھیں تر
پردے سے منہ نکال کے میداں کو تکتے تھے
مائیں جو پیٹتی تھیں تو بچے بلکتے تھے

آہ آہ! سید الشہداء کی یہ حالت تھی اسوقت کہ جسم مطہر زخموں سے چور چور تھا صاحبانِ مقاتل بقدرے اختلاف تحریر کرتے ہیں۔ اسوقت مظلوم کربلا کے بدن مبارک پر کم و بیش ایک ہزار سے زائد زخم تھے اور اس قدر تیر پیوست تھے کہ حضرت زمین سے بلند تھے۔ وفور تشنگی و اندوہ والم کی بنا پر حالت سید الشہداء کی غیر ہوئی جاتی تھی۔ غش پہ غش چلے آتے تھے۔ مگر افسوس ہزار افسوس اس وقت میں بھی اس کشتۂ جفا کو ایک ننھی سی قربانی درگاہ رب العزت میں پیش کرنی اور باقی تھی۔ اولاد والو کلیجہ پہ ہاتھ رکھ لو۔ اس ننھے مجاہد یعنی یتیم امام مسموم کی شہادت کا بیان سنا نہ جائے گا ہائے ہائے عزادارو یہ اس بیوہ کا لعل تھا جو ایک نوجواں پسر جیسے بیاہ کی آرزو میں یہ ماں

جیتی تھی جیسے کو قربان کر چکی ہے۔ مومنین ذرا دل پر ہاتھ رکھیں اور دیکھیں کہ کیا گذر گئی ہوگی اس مظلومہ اور سہاگ اُجڑی پر۔ آج یہ کچھ بن رہی تھی آہ آہ۔ لو صاحبان اولاد ہو

راوی رقم یہ کرتا ہے اس معرکہ کا حال — نکلا اٹھا کے پردے کو اک طفل خورد سال
منہ بھولا بھولا گوندھے ہوئے گیسوؤں کے بال — چہرہ تو رشک بدر بھنویں غیرت ہلال
رخسار سرخ سرخ جھلکتے گلاب سے
کانوں میں بندے ہل رہے تھے اضطراب سے

وہ چاند سا گلو وہ مہ نو سی ہنسلیاں — کرتہ بدن میں پھولوں پہ شبنم ہو جوں عیاں
وہ پیارے پیارے ہاتھ کہ صدقہ تھی جس پہ ماں — ہیکل گلے میں پہنے ہوئے بہر حفظ جاں
تعویذ بازوؤں میں کڑے ہاتھ پاؤں میں
دوڑا چچا کو دیکھ کے تیغوں کی چھاؤں میں

چلائی ماں یہ پردے کو سرکا کے ایک بار — بیٹا کدھر چلے ہو یہ مادر ہے بے قرار
بہر خدا کے واسطے پھر آ ترے نثار — برسا رہے ہیں تیر ہزاروں ستم شعار
مڑ کر تو دیکھو خیمے سے باہر نکلتی ہوں
اچھا نہ آؤ میں بھی کھلے سر نکلتی ہوں

یہ سن کے بھی پھرا نہ جو وہ غیرت قمر — دوڑی نکل کے خیمہ سے مادر برہنہ سر
لی پکڑ کے دامن پیراہن پسر — بیوہ ہوں اے یتیم حسنؑ مجھ پہ رحم کر
قاسمؑ سا چاند تازہ کلیجے پہ داغ ہے
تم بھی موئے تو بیوہ کا گھر بے چراغ ہے

واری میں تیرے قدموں پہ رکھتی ہوں اپنا سر — غصے سے کانپتے ہو نہیں جان کا خطر
کیونکر لڑو گے پاس نہ تلوار نے سپر — کرتے کی آستین چڑھائے چلے کدھر
وہ کہتا تھا چچا کے بچانے کو جاتے ہیں
دامن کو چھوڑ دو ہمیں بابا بلاتے ہیں

یہ کہہ کے ماں کے ہاتھ سے دامن چھڑا لیا — تیزی سے دوڑا اور چچا کی طرف چلا

ہاتھوں کو ملتی رہ گئی وہ غم کی مبتلا　چاہا بہت قتل گاہ میں مشتاق موت کا

زخمی چچا کو دیکھ کے دل غم سے پھٹ گیا
پھیلا کے ننھے ہاتھ گلے سے لپٹ گیا

زانو پہ ہاتھ مار کے شہ نے کہا کہ ہائے　یہ کیا غضب کیا کہ اس آفت میں گھر سے آئے
مارے نہیں کوئی تو چچا کس طرح بچائے　قسمت میں ہے حسینؑ کے یہ داغ بھی اٹھائے

بیکس چچا پہ فوجِ ستم کی چڑھائی ہے
ہائے تمہیں صغیر کے اجل رن میں لائی ہے

تاکہ ہجوم فوجِ ستم شاہ پر ہوا　تیغیں اٹھا کے لشکریں حملہ ور ہوا
اُس وقت بے قرار حسنؑ کا پسر ہوا　جب تیغ آئی شہ پہ وہ بچہ سپر ہوا

گھبرا کے گاہ شاہ کی گودی میں گرتا تھا
پروانے کی طرح سے کبھی گرد پھرتا تھا

آخر کسی کی تیغ ستم شاہ پر چلی　سر پر چچا کے ہاتھ رکھے ہو [illegible] علی
زہرا کی روح تڑپ ہوئی ایسی بے کلی　ٹھہرے نہ اس یتیم کے تیغ قضا ٹلی

تلوار ہاتھ کاٹ کے در آئی خود میں
دستِ صغیر گر پڑے حضرت کی گود میں

تھرا زمیں پہ گر کے جو وہ طفلِ خورد سال　چھینٹوں سے خوں کی ہو گیا کرتا تمام لال
اس سے لپٹ کے کہنے لگے شاہِ خوش خصال　صدقے میں تیرے ہاتھوں کے اے مجتبیٰ کے لال

اب ذبح کرنے شمر کوئی دم میں آئے گا
جانتے ہو تم کہ کون چچا کو بچائے گا

آغوش میں چچا کی تڑپتا تھا وہ صغیر　بچے کے ننھے حلق پہ مارا کسی نے تیر
حضرت کے منہ کو تکنے لگا وہ مہ منیر　سر پیٹتے تھے ہاتھوں سے شاہِ فلک سریر

آنکھیں پھرائیں چاند سا منہ زرد ہو گیا
منہ تک ابل ابل کے لہو سرد ہو گیا

اک آہ کر کے غش ہوئے سلطانِ بحر و بر — آیا پکڑ کے خنجرِ کیں شمرِ بد گہر
فریاد ہے کہ پاؤں دھرا شہ کے سینہ پر — حضرت نے چونک کر کہا پیاسا ہوں رحم کر

پانی دیا نہ ہائے نبی کے نواسے کو
خنجر سے آہ ذبح کیا بھوکے پیاسے کو

آہ! آہ! عزادارو! پیٹو اپنے سروں کو۔

خیمے سے کھڑی بھائی کو تکتی رہی زینبؑ — سر کاٹا گیا شمر بلکتی رہی زینبؑ

حضرات! ارضِ کرب و بلا اس وقت حشر کا نمونہ تھی۔ ادھر رشتۂ تن کی آخری لڑی ٹوٹی ادھر زمین میں دلزلہ پیدا ہوا۔ سیاہ آندھیاں چلنے لگیں۔ آفتاب کو گہن لگا۔ آسمان سے خونِ تازہ برسنے لگا۔ نہرِ فرات میں تلاطم بپا ہوا۔ مچھلیاں خاک پر گر گر تڑپنے لگیں۔ خیمہ سے بی بیاں اور بچے روتے پیٹتے دوڑے۔ ایک منادی مابین زمین و آسمان ندا دینے لگا: اَلَا قُتِلَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلَا۔ اَلَا ذُبِحَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلَا۔ بہن سر کھلے پیٹتی ہوئی بھائی کی طرف یہ کہتی ہوئی دوڑی۔

صدقے بہن مسافرِ ملکِ عدم حسینؑ — بیکس حسینؑ حاملِ ظلم و ستم حسینؑ
ہے ہے جدا بدن سے ترا سر قلم حسینؑ — جائیں گے کس طرف ترے اہلِ حرم حسینؑ

دی جان عاصیوں کی شفاعت کے واسطے
اماں کا گھر لٹا گئے اُمت کے واسطے

ہاں عاشقانِ شاہِ ہدیٰ پیٹو اپنا سر — روزِ غم ہے خاک اُڑاؤ بچشمِ تر
عالم کا بادشاہ جہاں سے گیا گذر — اب تعزیے اٹھیں گے چلے شاہِ بحر و بر

رخصت ہے شہ کی اہلِ عزا بدحواس ہیں
دیکھو تو کیسے تعزیہ خانے اداس ہیں

کل ہوں گی مجلسیں نہ یہ شیون نہ یہ فغاں — سنسان ہوں گے تعزیہ داری کے سب مکاں
عشرہ ہوا تمام چلے شاہِ انس و جاں — رخصت طلب ہے تم سے تمہارا یہ میہماں

لپٹو ضریح سے کرو رخصت حسینؑ کو

پاؤ گے کل نہ فاطمہؑ کے نورِ عین کو

روکر کہو کہ اے شہِ ذی جاہ الوداع
بیکس حسینؑ کل کے شہنشاہ الوداع

دیں کے چراغ فاطمہؑ کے ماہ الوداع
مذبوحِ ظلم و جور و جفا آہ الوداع

مولا اجل کے ہاتھ سے مہلت جو پائیں گے
پھر اگلے سال بزم میں رونیکو آئیں گے

اے نورِ چشم احمدِ مختار الوداع
اے یادگار حیدرِ کرار الوداع

اے حضرت بتولؑ کے دلدار الوداع
اے امتِ رسول کے غمخوار الوداع

آدابِ تعزیت نہ ادا ہم سے ہو سکے
حسرت رہی کہ ہائے نہ جی بھر کے رو سکے

اے بے دیار و بے سر و سامان الوداع
اے مومنانِ پاک کے مہمان الوداع

اے دو جہاں کے سید و سلطان الوداع
اے بنتِ مصطفےٰؐ کے دل و جان الوداع

آہ و بکا سے ہم کبھی غافل نہ ہوئیں گے
جب تک جئیں گے آپکی غربت پہ روئینگے

مجلس چہاردہم

شام غریباں بعد شہادت مظلوم کربلا

عزادارو! الفاظ میں یہ وسعت کہاں کہ تصویر کشی کر سکیں۔ میدان کربلا کی شام جو روزِ محشر سے زیادہ قیامت خیز اور درد انگیز تھی۔ ہائے ہائے کونسا دل لائیں اور کس کلیجہ پائیں کہ بیان کریں۔ مصائب اس شہید کربلا کے مصیبت زدہ کنبے کے جس میں اکثر بیوائیں اور بچے تھے۔ دل خون ہوتا ہے۔ کلیجے کے ٹکڑے اڑے جاتے ہیں۔ تصور سے اس جانکاہ وقت کے۔ اللہ اکبر! کیا گذر گئی ہوگی ان ننھے بچوں اور مخدرا

عصمت پر اس روز کہ جن پر یہ پے در پے کوہ الم درنج و غم گر رہے تھے۔ اور کوئی بھی مصیبت ایسی نہ تھی جو ان پر نہ گذری ہو۔

آہ! آہ! کاش آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا، زمین کا تختہ الٹ جاتا۔ روز عاشور وقت عصر کہ جب مظلوم و سید الشہداء، فرزند رسالت، شمع امامت، مظلوم کربلا، سیدہ عالم کا لخت جگر، نور نظر تین دن کا بھوکا پیاسا زخموں سے چور، کربلا کی جلتی ہوئی ریت پر شمر ناہنجار و سیہ بخت ملعون زماں کے ہاتھوں کند خنجر سے مانند گوسفند ذبح کر دیا گیا ہو، مگر نہیں قدرت پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ یہ تو قیامت صغریٰ ہے۔ ابھی اس کے بعد قیامت کبریٰ آرہی ہے۔ اللہ اللہ عقول انسانی حیران اور سرگرداں ہیں۔ دماغ عاجز اور پریشان ہیں۔ یہ معلوم کرنے سے کہ آخر وہ صبر کی کونسی منزل تھی۔ جہاں سید الصابرین اپنے ایک بیمار فرزند کچھ مخدرات عصمت اور چند معصوم ننھے ننھے بچوں کو پہنچا کر خلد بریں کو تشریف لے گئے تھے۔ کہ تمام امکانی حوادثات و مصائب ان پر ختم ہو گئے، لیکن انہوں نے اس منزل سے باہر قدم نہ رکھا۔

محبان اہلبیت! سنئے اگر آپ سے سنے جائیں وہ جاں گزا واقعات جن کو یاد کر کے آج تیرہ سو برس سے آسمان تک شفق کی آنکھوں سے رو یا کرتا ہے

راوی بیان کرتا ہے کہ جسوقت سید الشہداء کا سر مبارک تن مطہر سے جدا کیا گیا تو عمر سعد بے حیا ملعون و مردود ازلی۔ ؎

نکلا جو اپنے خیمے سے ہنستا وہ بد گہر
پھر چار سمت کو یہ ندا دی پکار کر
اور نیزے پر بلند کیا شاہ دیں کا سر
ہاں افسران شام نہ کھولو ابھی کمر
برپا ہے گو حرم میں عزاداری حسین
لوٹو۔ جلاؤ خیمہ زنگاری حسین

ہائے ہائے مومنین! انسان نما وحشی و درندے قسی القلب قسائی۔ مرتد و کافر سے بدتر اسلام کو تا حشر بدنام کرنے والے مسلمان جو ملعون حقیقی معنوں میں منافق تھے۔ گدھوں اور چیلوں کی طرح خیام اہلبیت پر جھپٹے۔ منقول ہے کہ:-

پھر تو سمت سمت کے گروہ ستم چلے | سب روسیاہ کھول کے کالے علم چلے
کہتے ہوئے یہ سوئے خیام حرم چلے | عباسؑ دشنہ کہاں ہیں سوئے خیمہ ہم چلے

سرحد عرب کی ہو گئی خالی حسینؑ سے
لوٹیں گے اب حسینؑ کی سرکار چین سے

فضہ کھڑی تھی خیمہ کے در پر برہنہ سر | آئی جو فوج لوٹنے چلائی پیٹ کر
ہے ہے ڈرو خدا سے بڑھے آتے ہو کدھر | آگے ہے بارگاہِ شہنشاہِ بحر و بر

اس میں مقیم آلِ رسالت پناہ ہے
خیمہ نہ سمجھو اس کو یہ عرشِ الٰہ ہے

آہ! آہ! حضرات! ہر چند کہ جناب فضہ رو رو کر فرماتی تھیں کہ یہ حرم خیر النساء ہے اس کے قریب نہ آو۔ مگر وہ شقی راہزن ڈاکوؤں کی طرح تلواریں ہاتھوں میں لئے دررانہ خیمہ میں گھستے چلے آئے۔ مومنین! اُسوقت خیمہ میں قیامت کبریٰ بپا ہو گئی۔ معصوم بچے اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ ان قسائیوں کو دیکھ دیکھ کر ماؤں کی گودوں اور خیموں کے گوشوں میں چھپ رہے تھے اور شام بی بیاں بے قرار ہو ہو کر پیٹتی اور روتی تھیں۔ راوی بیان کرتا ہے کہ۔ ؎

آیا خیام شام میں یوں شمر بدخصال | خونِ امام پاک سے خنجر تمام لال
یوں اپنے ساتھیوں سے وہ کرنے لگا مقال | لوٹو تمام احمدؐ و زہراؑ کا خوب مال

دیکھو تو کس جگہ ہے دفینہ رسولؐ کا
زینبؑ کے پاس ہوگا خزینہ بتولؑ کا

زینبؑ کے پاس آئے لعیں کھینچ کر حسام | بولے بتا کہاں ہے گڑی دولت امام
رو کر لگیں وہ کہنے کہ اے ساکنانِ شام | دولت کہاں ہے ہم کو میسر نہیں طعام

محتاج ہیں فقیر ہیں دل دردمند ہے
پانی بھی تین روز سے پیاسوں پہ بند ہے

تم مانگتے ہو احمدؐ و زہراؑ کا مال کیا | پیوند تھے بتولؑ کی چادر میں جا بجا

ناشاد و نامراد گئی بنت مصطفیٰ ۔۔۔ دولت پہ اُن کی آج عجب سانحہ ہوا

رن میں پڑی ہوئی ہے کمائی بتول کی
دشت بلا میں لٹ چکی دولت رسول کی

خیمے میں ان کو مال ملا جب نہ بیش و کم ۔۔۔ آمادہ لوٹ پر ہوئے وہ بانیٔ ستم
سر پر سے کھینچنے لگے سب چادر حرم ۔۔۔ عریاں ہوئے جو سر تو کیا گردنوں کو خم

بے پردہ کر دیا جو عدو کی سپاہ نے
بالوں سے منھ چھپا لیا ناموس شاہ نے

بیوؤں سے ہائے مقنعہ و چادر کو لے گئے ۔۔۔ اور چھین کر مریض کے بستر کو لے گئے
یاں تک کہ گاہوارۂ اصغر کو لے گئے ۔۔۔ اعدا غرض کہ لوٹ کے سب گھر کو لے گئے

ہاتھ سے چھین لے گئے مسند امام کی
سرکار لٹ گئی شہ عالی مقام کی

شمر لعیں سکینہ کے لینے لگا گہر ۔۔۔ مجروح کان ہو گئے کرتا لہو میں تر
کانوں کے درد سے ہوئی مضطر وہ نوحہ گر ۔۔۔ مشفق پدر کو یاد لگی کرنے بے پدر

بچی کے ہائے دل کو دکھایا شریر نے
روئی جو وہ طمانچہ لگایا شریر نے

افسوس صد ہزار افسوس! کہ ان ناریوں کا اس ستم رسیدہ کنبے کو لوٹ کر بھی کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ بلکہ ان بدبختوں نے خیمہ میں آگ لگادی۔ آہ آہ! حضرات!! خدا دشمن کو بھی وہ وقت نہ دکھائے۔ تمام مخدرات عصمت برہنہ سر منھ کو بالوں سے چھپائے۔ بچیاں کو لے کر نکل پڑیں۔ ننھے ننھے معصوم تین دن کے بھوکے پیاسے بلبلاتے تھے۔ آہ آہ!!

کرتے ہیں راویان جگر سوز یہ کلام ۔۔۔ اس لوٹ میں وہ چار گھڑی دن ہوا تمام
لشکر سے ابن سعد یہ بولا بوقت شام ۔۔۔ منظور ہے ہمیں کہ یہیں آج ہو قیام

اک خیمہ ایستادہ حضور نگاہ ہو
شب باش اس میں آل رسالت پناہ ہو

سردار پھر گئے پسر سعدؔ سے تمام
اور آ کے ابن سعد سے کرنے لگے کلام
جی چاہتا ہے اب کہ مٹا دیں ترا بھی نام
ناحق تری صلاح سے کاٹا سر امام
تجھ سے شقی کا ساتھ دیا آہ کیا کیا
سید کا ہم نے خون کیا آہ کیا کیا

وہ بولا کچھ کہو تو سہی میں نے کیا کیا
سب بولے متفق سمجھے غارت کرے خدا
اور کیا کرے گا نام نبی تو مٹا چکا
مانا کہ تجھ کو سبط پیمبر سے بغض تھا
سیدانیوں سے بچوں سے بھی تجھ کو بیر ہے
ہنس ہنس کے بھوکوں پیاسوں کی کرتا جو سیر ہے

یہ رسم ہے عرب کی ہیں آگاہ اس سے سب
مر جائے گر کسی کا بھی کوئی عزیز جب
کھانے کھلاتے ہیں سمجھا کے سب عرب
اور حاضری بھی بھیجتے ہیں گھر میں تا بہ شب
بھوکا ہے تین روز سے کنبہ بتولؑ کا
دم ہے لبوں پہ پیاس سے آل رسولؐ کا

تقسیم تو نے سب کو جو اس دم کیا طعام
آل نبی کی بھوک پہ سب روئے لاکلام
اٹکے نوالے حلق میں کھانا ہوا حرام
اے بے رحمی اور سنگدلی تجھ پہ ہے تمام
آل نبی کے واسطے فکر غذا انہیں
تجھ کو حمیت عرب او بے حیا نہیں

تو مومنین یہ کلام درشت و حق جب اس ملعون نے سرداران شام سے سنا تو وہ کمال نادم ہوا اور سر اپنا اس شقی نے جھکا لیا۔ اور دیر تک روتا رہا۔ سرداران لشکر بھی تاب ضبط کھو بیٹھے۔ وہ بھی کھڑے زار زار مظلومی و بے کسی پر ان غمزدوں کی روتے تھے آخر کچھ دیر بعد اس مردود ملعون نے سر منحوس اپنا اٹھایا اور سے

بولا یہ ابن سعد کہ لے جاؤ تم شتاب
چالیس خوان کھانے کے اور سرد جام آب
تب ایک ایک نے یہ عمر کو دیا جواب
کس منہ سے جائیں سامنے حد درجہ ہے حجاب
پیاروں کو ان کے سامنے ٹکڑے اڑائیں ہم

کس طرح حاضری کی اب لیکے جائیں ہم

بولا عمر یہ شمر سے تو جا بہ انکسار — عباس کا تو کہتا ہے اپنے کو رشتہ دار
اس لئے کہا میں سب سے زیادہ ہوں شرمسار — زینبؑ کے آگے سینۂ شہ پر ہوا سوار
ہے ہے کیا شہید شہ مشرقین کو
میں نے طمانچہ مارا یتیم حسینؑ کو

الغرض حضرات! ہر چند کہ عمر سعد بھیا اِک اِک سے اصرار کرتا تھا کہ خوان طعام کے بطور حاضری شہیدان کربلا خیام اہلبیت میں پہنچاؤ۔ مگر ہر سردار نے معذرت کی اور ہمت اس کی نہ پڑتی تھی۔ آخر مجبور ہو کر اس ملعون نے زوجہ حر کو طلب کیا۔ وہ مومنہ ماتم میں بھی شوہر و دیگر شہداء کے مبتلا تھی۔ دل میں اپنے ڈری کہ شاید شقی کوئی بیداد تازہ مجھ پر کیا چاہتا ہے۔ لرزہ براندام روتی پیٹتی سامنے عمر سعد بخت کے آئی۔ اُس بے حیا نے منہ پھیر کر کچھ خوان طعام بطور حاضری اور چند جام آب سر خیمۂ اہلبیت میں لیجانے کو کہا۔ وہ معظمہ عاشق اہلبیت تھی۔ یہ حکم اس ملعون کا سنکر بہت شاد ہوئی اور بہ تعجیل تمام وہ کھانا اور پانی لے کر در خیمۂ اہلبیت پر پہنچی۔ راوی بیان کرتا ہے کہ آہ آہ اس فلک کی ستائی زینبؑ کی س

مشعل کی روشنی پہ جو اک دم پڑی نگاہ — تھرائی کبھی لوٹتے پھر آئی ہے سپاہ
رو کر کہا کہ کیا ہوا ہم سے کوئی گناہ — لوگو ذرا خدا کے غضب سے یہ کیا ہے آہ
کوئی بھی پوچھتا نہیں اس واردات کو
لوٹے ہوؤں کو لوٹنے آئے ہو رات کو

گر ہے گماں فرار کا کر لو ہمیں شمار — بھاگا نہیں ہے کوئی تمہارا اگنا ہگار
موجود سب یہاں ہیں تمہارے قصوروار — اک بار لوٹ کر بھی نہ آیا تمہیں قرار
صبح کو لوٹ لیجیو اب کیا ضرور ہے
ہم قیدی بھاگے جائیں نہ صبح دور ہے

للہ شور و غل نہ مچانا یہاں ذرا — رو رو کے بچے مانگ رہے تھے ابھی غذا
ان کا بلکنا دیکھا نہ جاتا تھا با خدا — کہتے تھے ہاتھ جوڑ کے پانی ہی دو پلا

ہلکان ہو کے سوئے ہیں وہ ظالمو! ابھی
آہٹ سے اٹھ نہ جائیں کہیں قاتلو! ابھی

یہ بات سن کے زوجہ حر روئی زار زار
دیکھا برہنہ سر حرم شہ کو اشکبار
پردہ اٹھا کے خیمہ میں آئی وہ غمگسار
دل پکڑے بیٹھے تھے کہیں صورت بے قرار

ان عورتوں کی شکل تھی پنہاں نقاب سے
سیدانیوں کے آہ جھکے سر حجاب سے

زینب نے پیٹا سر جو پڑی خوان پر نظر
رو کر یہ بولی زوجہ حر پاس آن کر
سمجھی یہ بالیقیں کہ شہیدوں کے ہوں گے سر
لونڈی سلام کرتی ہے اے غیرت قمر

میں عاشق حسین کنیز بتول ہوں
اور زوجہ حر اول سبط رسول ہوں

زینب نے سن کے زوجہ حر سے یہ خوش کلام
بولی تو حر کی زوجہ ہے، بی بی نیک نام
تعظیم کو کھڑی ہوئی وہ خواہر امام
حق بخشے حر کو واہ عجب کر گیا وہ کام

پہلے خبر کرائی نہ زہرا کی جائی کو
سر ننگے در پہ آتی تری پیشوائی کو

یہ کہہ کے اس کو اپنے برابر بٹھا لیا
دل کو پکڑ کے رونے لگی اور یہ کہا
پایا نہ تھا جو ڈھانپ کے منہ روتی غمزدہ
پرسا میں تجھ کو دیتی ہوں حر کا بصد بکا

وہ رو کے بولی نام نہ لو اس غلام کا
میں پرسہ دینے آئی ہوں اپنے امام کا

زینب نے رو کے زوجہ حر سے یہ پھر کہا
کی عرض اس نے لونڈی کی قسمت ہوئی رسا
آخر یہ خوان آنے کا اتنے سبب ہے کیا
بھیجے ہیں ابن سعد نے یہ خوان پر غذا

کہنے سے اس شقی کے میں ہمراہ آئی ہوں
یہ حاضری حسین کے مرنے کی لائی ہوں

عزادارو! حاضری کا نام سنتے ہی پروانہ وار بہن کا کلیجہ ہی نکل گیا۔ گنج شہیداں کی طرف رخ کر کے کہتی تھیں

ماں جائے کیا میں بدنصیب اسی دن کیلئے جیتی تھی کہ تم کو تین دن کے بھوکے پیاسے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رن میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں اور تمہاری حاضری کھاؤں۔ بھیا تم اعلم ہو۔ کیا تم اسکی اجازت دیتے ہو۔ نانا محمد مصطفےٰ محلہ میں غیر کی میت بھی جب تک دفن نہ ہوگی ننھے ننھے بچوں تک کو کھانا نہ دیتے۔ اے فرزند رسول بتاؤ تو کیا اسلام کا یہ قانون اب منسوخ ہو گیا ہے۔ س

یہ بین کرکے زوجۂ حُرؑ سے کیا خطاب
اُب دل کو مطلقاً نہیں ذوقِ طعام و آب
کھانا تو لے کے آئی ہے تجھ کو ہوا ثواب
کھایا ہے غم عزیزوں کے مرنے کا بے حساب
ہم سب حسینؑ پیاسے کے ماتم میں روتے ہیں
کس کو کھلائیں بچے بھی اسوقت سوتے ہیں

انصاف کر تو پانی پیوں کیا میں خستہ جاں
پیاسا مُوا حسینؑ کا فرزند نوجواں
پیشِ نظر ہے بھائی کی سوکھی ہوئی زباں
اور ایڑیاں رگڑتا تھا اصغر بھی الاماں
جب تک قضا نہ آئے گی مجھ بے حواس کو
روتی رہوں گی پیاسوں کو اور ان کی پیاس کو

دیکر یہ قسم یہ زوجۂ حُرؑ بولی آئیے
ان بھوکے پیاسے بچوں کو بھی اب جگائیے
فاقے سے تین روز کے ہیں کچھ تو کھائیے
اک اک نوالہ آلِ نبی کو کھلائیے
اب فاقہ توڑو روحِ پیمبر کا واسطہ
دو گھونٹ پی لو ساقیٔ کوثر کا واسطہ

زینبؑ کو تھا جو زوجۂ حُرؑ کا کمال پاس
ہنگامِ ذبح کہتے تھے بھائی سنبھال پاس
سجادؑ کو کہا کہ تمہیں ہو پھپی کی آس
پانی ملے تو بھول نہ جانا ہماری پیاس
دو فاتحہ شہیدوں کی پانی کے جام پر
صدقے میں اُنکی پیاس پہ اور اُن کے نام پر

القصہ جب کہ دینے لگے ہائے فاتحہ
شانہ ہلا ہلا کے سکینہؑ سے یہ کہا
زینبؑ نے کی وہ آہ کہ محشر ہوا بپا
پانی پیو اٹھو یہ پھپی تم پہ ہو فدا
قربان جاؤں اٹھو کہ پانی کو روتی تھیں
کل تک تو ہائے بابا کے سینہ پہ سوتی تھیں

پانی کا نام بالی سکینہ نے جب سنا
پانی تو تین دن سے کبھی ہم پہ بند تھا
اک بار آنکھیں ملتی اٹھی اور یہ کہا
کیا آ گئے ہیں نہر سے اچھے مرے چچا
دن کو تو فوج گھیرے ہوئے تھی فرات کو
پانی چھپا کے لائے ہیں کیا عمو رات کو

میرے طمانچے کھانے کا کہنا نہ ان سے حال
میں سرخ رو چچا سے ہوئی شکر ذوالجلال
وہ مجھ کو چاہتے ہیں کرینگے بڑا ملال
اچھی بتاؤ جلدی کہاں ہیں علیؑ کے لال
کہتی ہوں ان سے جاکے چچی جان خفا ہیں
تم جو جدا ہوئے تو چچا بھی جدا رہیں

زینبؑ پکاری سن کے یہ تقریر دلخراش
واری چچا کہاں ہیں جنھیں کرتی ہو تلاش
پانی پیو کرو نہ مرے دل کو پاش پاش
شانے کٹے پڑے ہیں بدن ان کا پاش پاش
اٹھو پیو یہ پانی ہے نذر امام کا
یارا نہیں ہے مجھ میں مری جاں کلام کا

مجلس پانزدہم

روز سوم اسیری اہلبیت و روانگی بسوئے شام

حضرات! کسی مخصوص فرقہ پر منحصر نہیں بلکہ عام طور پر تمام اسلام میں رواج ہے کہ جب کسی کا کوئی مرجاتا ہے تو اپنے، غیر، پاس پڑوس کے بیتابانہ چلے آتے ہیں اور مرنے والے کو اعزا کو پرسہ دیتے ہیں۔ تلقین صبر کرتے ہیں۔ تسلی دلاسا دیتے ہیں اور مرحوم کو اول منزل تک جلدسے جلد پہنچانے کی سعی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ بعد اس کے اعزا حاضری لاتے ہیں صلحاء عزا کو اصرار کرکے کھلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سوم کے روز قرآن خوانی ہوتی ہے۔ دور افتادہ عزیز پہنچ کر پرسا دیتے ہیں۔ ایک غریب سے غریب محتاج مسلمان کے مرنے پر بھی کہ ایک لاوارث یا

پردیسی کی موت پر بھی یہ رسوم ادا کی جاتی ہیں۔ لیکن ہائے ہائے ! افسوس صد ہزار افسوس ان جفا جو اور ذلیل مسلمان کہلانے والوں پر جنھوں نے اس رسولؐ کے جگر کے ٹکڑوں کو وہ لعین بے دین کلمہ پڑھتے تھے بہتر ٹکڑے اپنی تلواروں سے کر کے کربلا کی جلتی ہوئی زمین پر ڈال دئے۔ اور صاحبان عزا یعنی خواتین عصمت و طہارت کی اس طرح دل جوئی کی۔ اور پرسا دیا کہ چادریں اُن کے سروں سے چھین لیں، سب اثاث البیت لوٹ لیا۔ خیموں میں آگ لگا دی۔ بچوں کے مُنہ پر طمانچے مارے۔ سیدانیوں کو رونے پر تازیانے لگائے۔ بیمار کربلا کو طوق و زنجیر پہنائے۔ کاش! یہ خونخوار درندے کلمہ گو نہ ہوتے۔ اور انھیں مسلمان کہہ کر نہ پکارا جاتا۔ تو دل کو صبر آجاتا۔ مگر افسوس ہزار حیف کہ ان شیاطین کے گلوں میں قرآن حمائل تھے۔ مومنین یہ تو ان لعینوں کی خدمات تھیں۔ روز عاشور یعنی شہادت سلطان کربلا اب حضرات ان شہدائے جور و جفا کے پسماندگان کی بھی کیفیت کلیجہ تھام کر سن لیجئے۔

راوی بیان کرتا ہے کہ تمام خواتین کو رسن بستہ کر کے ان جلادوں نے شترہائے بے کجاوہ پر سر برہنہ سوار کیا۔ اور سار بان اہلبیت جناب امام زین العابدین کو اسی تپ و لرزہ کی حالت میں بیڑیاں اور طوق پہنا کر پیدل ہمراہ لیا۔ سرہائے شہدا نیزوں پر بلند کئے اور اس شان سے اس لٹے قافلہ کو قتل گاہ کی طرف سے لے کر چلے۔ جہاں ان مظلوموں کے پامال شدہ لاشے بے گور و کفن پڑے تھے۔ آہ! آہ!

عزادارو! کیا حال ہوا ہوگا سیدانیوں اور ننھے ننھے بچّوں کا اس وقت جب اُن کی نظر گنج شہیداں پر پڑی ہوگی۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اکثر سیدانیاں روتے روتے غش ہوگئیں اور اونٹوں پر سے گر پڑیں۔ کچھ بچے بلک بلک کر رونے لگے اور کچھ سہم کر اپنی ماؤں کی چھاتی سے لپٹ گئے۔ بھائی کی شیدا غمزدہ زینبؑ کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ دل ٹکڑے ہوا جاتا تھا۔ اشقیا تک منہ پھیر پھیر کر رو رہے تھے۔ بین سے اس معصومہ کے زمین و آسمان لرز رہے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے۔۔۔

زینبؑ کو لاش بھائی کی جس دم پڑی نظر	اس طرح بین کرنے لگی سر کو پیٹ کر
بھیا بہن کی اس گھڑی لیتے نہیں خبر	جاتی ہے ملک شام کو زینبؑ برہنہ سر

بے کفن بے بسی میں تمہیں چھوڑے جاتی ہوں
بھیا نہ یہ سمجھنا کہ منھ موڑے جاتی ہوں

حضرات! یہ کہکر وہ دکھیا بہن اس قدر روئی کہ غش آ گیا۔ تمام بی بیاں سروں کو پیٹتی اور روتی تھیں۔ اس قیامت خیز نظارے کو دیکھ کر ارضِ کربلا کانپ رہی تھی۔ وحوش و طیور، جن و ملک بے تاب و بے قرار تھے۔

الغرض جناب زینبِ مغموم غش سے چونکیں تو پھر مظلوم بھائی کی اپنے لاش بے سر دیکھکر دل بھر آیا۔ کلیجہ دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور رو رو کر فرمانے لگیں کہ بھیا اب میں تم جیسا پروانہ بھائی کہاں پاؤں گی۔ جب تک تم میرے سر پر سلامت تھے اسوقت تک سے

ماں باپ کے مرنیکا نہ ہونے دیا احساس
تکتے تھے کھڑے دور پہ اندوہ و غم و یاس
آنے نہ کبھی دیتے تھے غم آپ مرے پاس
بھائی کی محبت مگر آئی نہ مجھے راس

ہے ہے نہ خبر یہ تھی کہ لٹ جاؤنگی بھیا
پردیس میں یوں تم سے میں چھٹ جاؤنگی بھیا

اماں نے تمہیں سونپا تھا تم نے کسے سونپا
للہ بتا دو کہ کہوں گی کسے بھیا
تم ہی تھے مرے عاشق و وارث مرے آقا
اب کیسے جئے گی بھلا ہمشیر یہ دکھیا

بھائی بھلا تم جیسا کہاں پائیگی زینبؑ
اے وارثِ زینبؑ! کدھر اب جائیگی زینبؑ

زینبؑ پہ ترس کھائیے واری گئی زینبؑ
کچھ تو مجھے فرمائیے، واری گئی زینبؑ
محمل میں بٹھا جائیے واری گئی زینبؑ
دل کو مرے سمجھائیے واری گئی زینبؑ

جاں تن سے چلی میری بلا لیجئے بھائی
آکر مجھے سینے سے لگا لیجئے بھائی

بھیا مجھے پردیس میں در در نہ پھراؤ
بھیا مجھے دربار کا جلوہ نہ دکھاؤ
بھیا مجھے اس بلوہ کی آفت سے بچاؤ
بھیا مجھے ان ظالموں سے آکے چھڑاؤ

جلادوں کے ہاتھوں سے بچا لو مجھے بھیا

خدمت میں یہاں اپنی بلا لو مجھے بھیا

وخون بھرا جامہ اُتاروں میں تصدق
زینبؑ کو ہر اک زخم پہ وارو میں تصدق
املی سی قبا تن پہ سنوارو میں تصدق
اک بار بہن کہہ کے پکارو میں تصدق

قابل نہ ہو گر ایسا کہ یہ بے وارث و والی
اپنے علی اکبرؑ کی کھو یا سلنے والی

حضرات! یہ دلدوز بین اپنی پروانہ بہن کے امام جیسے شیدا بھائی سے سُنے نہ گئے لاش مطہر گنج شہیداں میں تڑپنے لگی اور حلق بریدہ سے آواز آئی۔ کہ ؎

بھینا ہمارے لاشۂ بے سر کا غم نہ کھاؤ
سر ننگے راہِ حق میں سوئے شام و کوفہ جاؤ
بس اب نہ پیٹ پیٹ کے بھائی کا دل کھاؤ
چادر اگر نہیں ہے تو بالوں سے منہ چھپاؤ

دُکھ درد سہہ لو بخشش امت کے واسطے
ہو جاؤ تم اسیر شفاعت کے واسطے

یاں تو بہن کے بھائی سے ہوتے تھے یہ کلام
سجادؑ سے کہا کہ مہار شتر دں کی تھام
چلایا شمر ہو گیا کیا اب یہیں مقام
اب جلد ہوں رواں حرم شاہ سوئے شام

منزل بہت کڑی ہے اذیت ہے راہ میں
ٹھہرے نہ اب اسیر کوئی قتلگاہ میں

روتے ہوئے یہ سن کے چلے عابد حزیں
زینبؑ پکاری اے پسر ختم مرسلیں
مجرے کو جھک گئے طرف لاش شاہ دیں
مجبور ہے اسیر بہن زور کچھ نہیں

ہے ہے یہ دھوپ اس جسد پاش پاش پر
رونا ملا بہن کو نہ بھائی کی لاش پر

لو الوداع اے شہ ابرار الوداع
اے اہلبیت پاک کے سردار الوداع
اے سرو باغ احمد مختار الوداع
آئی ندا کہ زینبؑ غم خوار الوداع

سونپا تمہیں حمایت ظلِ الٰہ میں
زینبؑ سکینہ جان سے ہشیار راہ میں

آخر عزادارو! یہ رسولِ خدا احمد مصطفےٰ کا لٹا ہوا قافلہ روتا پیٹتا روانہ جانب کوفہ و شام کو ہوا لاعین بے دین طرح طرح کی اذیتیں راہ میں دیتے جاتے تھے اور جب خاندانِ رسالت کی شہزادیاں اور معصوم ننھے منھے بچے آہ و بکا اور فریاد کرتے تھے تو وہ شقی خوب ہنستے تھے، راوی کہتا ہے کہ ساربان آلِ محمدؐ سے ناتوانی اور طوق کی گرانی کے باعث چلا نہ جاتا اکثر غش کھا کھا کر گر پڑتے تھے۔ تو شمر ملعون بے حیا تازیانہ سے کر ایسی بے ادبی سے امام عالیمقام سے پیش آتا تھا کہ جناب زینبؑ بیتاب ہو کر اپنے کو شتر بے مہار پر سے گرا دیتی تھیں اور رو رو کر فرماتی تھیں کہ اے شمر میں تجھے اس رسولِ خدا کی روحِ مطہر کا واسطہ دیتی ہوں جسکا کلمہ تو پڑھتا ہے کہ اس نحیف و نزار بیمار میں اب تیرے تازیانے کھانے کی تاب نہیں خدا تو قہر سے خدا کے ڈر اور دیکھ کہ اس ستم رسیدہ کو غش پہ غش آتے ہیں اور پاؤں میں چلتے چلتے چھالے پڑ گئے ہیں۔ میں تجھ سے منت کرتی ہوں کہ تو اسے سوار ہونے کی اجازت دیدے اس کے بدلہ میں مہار اونٹوں کی پکڑ کر چلتی ہوں۔ لیکن آہ آہ! کہ وہ دشمن دین و ایمان باز نہ آتا تھا۔ ؎

القصہ جب قریب رہا ملک شام کا — ہر کوچہ میں منادی یہ دینے لگے ندا
قید ہو کے آج آتی ہے اولاد مصطفےٰ — دیکھے وہ آ کے جسکو تماشا ہو دیکھنا

طوق و رسن میں آلِ رسولِ انام ہے
دو نذر اب یزید کا دربار عام ہے

کیا وقت تھا کہ بام کے اوپر وہ بے حیا — بیٹھے تھے سیر کے لئے کرسی پہ جا بجا
ناگہ حرم کا قافلہ آیا لٹا ہوا — بالوں سے منھ چھپائے تھی سب آلِ مصطفےٰ

زنجیر سے تھے عابدِ مضطر بندھے ہوئے
نیزوں پہ سر شہیدوں کے سب تھے چڑھے ہوئے

کوئی یہ حال دیکھ کے ہنستا تھا بے حیا — پتھر کوئی اسیروں کے سر پر تھا پھینکتا
جب قیدیوں کا نام کوئی شخص پوچھتا — کہتا تھا شمر نوکِ سناں کو چبھا چبھا

با نوحہ یہ بقیہ یہ کلثوم غمگسار

زینبؑ ہے حسینؑ کے ماتم میں سوگوار

القصہ یوں ہی فوج شقی وہ کشاں کشاں
تھیں سامنے یزید کے سر ننگے بی بیاں
لائی حرم کو شام کا دربار تھا جہاں
اور گرد سات سو تھیں امیروں کی کرسیاں
نذریں گذر رہی تھیں ہر اک خاص و عام کی
دربار میں اک عید تھی قتل امام کی

کہنے لگا یزید ہے شمر لعیں کہاں
کیوں قید کی حسینؑ کی تو نے یہ لونڈیاں
آیا جو شمر سامنے بولا وہ بدگماں
کیا سمجھی تھیں شمر نے مدینہ کی بی بیاں
تو نے نہ مجھ کو خوش کیا محنت فضول کی
کیوں قید کیں نہ بیٹیاں ہوویں بتولؑ کی

دست ادب کو باندھ کے کہنے لگا شریر
اولاد ہے نبیؐ کی ترے سامنے اسیر
یہ لونڈیاں نہیں ہیں ذرا غور کر امیر
یہ بی بیاں ہیں وہ نہیں جن کا کہیں نظیر
لعل و گہر سے بھر دے تو اس دم سپر مری
جیسا کہا تھا منصب و جاگیر کر مری

جب سن چکا یزید لعیں سب یہ ماجرا
ہوگا کسی سے کام نہیں تو نے جو کیا
ہنس کر کہا شریر نے اے شمر مرحبا
یاں تک چراغ قبر نبوت بجھا دیا
خنجر سے سر کو کاٹ شہ مشرقین کے
کر کے اسیر کنبہ کو لایا حسینؑ کے

تجھ سا تو سنگدل نہیں پیدا کہیں ہوا
اے شمر رحم بھی تجھے آیا کبھی ذرا
وہ وہ ہیں ظلم تو نے کئے عرش ہل گیا
دست ادب کو باندھ کے بولا وہ بے حیا
آتا تھا رحم یوں تو مجھے چند کام پر
آنسو نکل پڑے مرے دو مقام پر

جب میں نے زانو سینۂ مظلوم پر رکھا
غش سے انھوں نے چونک کے حسرت سے یہ کہا
اور پھر ذبح گھنڈی و تکمہ جدا کیا
ہے وقت ذبح اب تو مجھے پانی دے پلا

یہ وقت وہ تھا جس نے مجھے بھی رُلا دیا
پر میں نے منہ کو پھیر کے خنجر پھرا دیا

رو کر کہا یزید نے او بانیٔ جفا — کیسا تو سنگدل ہے کفارت کرے خدا
اے شمر یہ طریق ہے حیواں کے ذبح کا — قصاب تک بھی دیتے ہیں خود آب اور غذا

خنجر گلوئے خشک پہ قاتل پھرا دیا
بہتی تھی نہر پاس نہ پانی پلا دیا

اے شمر کس طرح سے یہ تجھ سے کیا گیا — نازل نہ تجھ پہ کس لئے قہر خدا ہوا
تیرے بیان نے مرے دل کو ہلا دیا — اس سے شدید وقت بھلا ہو گا کونسا

بولا شقی کہ محشر تازہ بپا ہوا
اب کیا کہوں یزید کہ پھر اور کیا ہوا

سن اے امیر دوسرا بھی وقت یادگار — سینہ پہ اے یزید تھا حضرت کے میں سوار
خنجر کی میرے شہ کے گلے سے ملی تھی دھار — بی بی یہ نکلی خیمہ سے روتی بحالِ زار

عاشق حسینؑ کی ہے نواسی نبیؐ کی ہے
زینبؑ ہے اس کا نام یہ بیٹی علیؑ کی ہے

ریتی پہ لوٹ لوٹ کے کہتی تھی بار بار — اے شمر ان کو چھوڑ دے تو بہر کردگار
اے شمر کیوں رسولؐ کو کرتا ہے بے قرار — ہے ہے اُٹھا لے حلق سے خنجر کو بدشعار

زانو ہٹا لے سینہ سے پیاسے کو چھوڑ دے
صدقہ نبیؐ کا اُن کے نواسے کو چھوڑ دے

اے شمر تجھ کو حیدر کرار کی قسم — اے شمر تجھ کو احمد مختار کی قسم
اے شمر تجھ کو کل کے مددگار کی قسم — اے شمر تجھ کو ایزد غفار کی قسم

قابو میں اے لعین نہیں ہے جگر مرا
ان کے عوض میں کاٹ لے حاضر ہے سر مرا

اس کی طرف سے منہ کو تھا میں نے پھرا لیا — اُف! یہ بلکتی رہ گئی میں نے نہ پر سُنا